ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۱۳ / مارچ ۹۶ء

☆ ذرائع پیداوار اسلامی ریاست کی ملکیت ہوتے ہیں

☆ نج کاری۔ خود مختاری سے دستبرداری !

☆ چند ماہ بعد روسیوں کی چیچنیا سے بحفاظت واپسی ناممکن ہوگی

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

یہ انداز کیونکر ؟

موجودہ حکومت نے اپنے دور اقتدار میں زندگی سے متعلق دو شعبوں کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ایک عورت کے حقوق اور دوسرا ثقافت۔ جہاں تک عورت کے حقوق کا تعلق ہے حکومت کا پروگرام بظاہر خوش آئند دکھائی دیتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ہمارے ہاں مرد مردانگی کے زعم میں عورت کے حقوق کا غاصب ہے حالانکہ مرد اور عورت لازم و ملزوم ہیں 'ایک ہی گاڑی کے دو پہیئے' شریک حیات' اور ساخت کے اعتبار سے اپنے اپنے دائرۂ کار میں منفرد اہمیت کے حامل ہیں۔ جو قومیں عورت کو جائز مقام دینے سے گریز کرتی ہیں وہ ترقی کی منازل طے نہیں کرپاتیں۔ ہماری قومی زبوں حالی کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ہم عورت کو کمتر کہتے' بے بس جانتے اور بے زبان گردانتے ہیں۔ اسی لئے نہ تو طلاق کے معاملے میں عورت کی بربادی کا خیال اور نہ ہی وراثت میں عورت کے حق کا احترام کیا جاتا ہے۔ لہٰذا عورت کو اس کے حقوق سے آگاہی' ووٴمن بینک اور لیڈیز پولیس اسٹیشن کا قیام' عورت کی بہبود سے متعلق خصوصی پروگرام' احسن پروگرام ہیں مگر اسی بظاہر اچھی ضرورت کی آڑ میں عورت کی رسوائی کا عمل تیزی سے جاری ہے۔ اس مذموم عمل کا آغاز ٹی وی پر ثقافت شو سے ہوا اور رہی سہی کسر ورلڈ کپ ۹۶ء کے کلچرل پروگراموں اور میوزیکل نائٹس نے نکال دی ہے۔ کہنے کو تو اپنی ثقافتی تہذیب دنیا کے سامنے پیش کرنا مقصود ہے لیکن جو دکھا رہے ہیں۔ وہ تو سو فیصد جدید مغربی بے ہودگی کا انداز ہے۔ اگرچہ مشرقی ثقافت میں بھی کچھ خامیاں ہیں تاہم اس قدر بے حیائی کا کھلا مظاہرہ تو کبھی نہ تھا۔ آج کل جو پروگرام کھلے بندوں ٹی وی سے نشر کئے جارہے ہیں اور جن کی شوخ جھلکیاں اخبارات کی زینت بنی دکھائی دیتی ہیں ان میں نوجوان لڑکے لڑکیاں گھل مل کر بیٹھتے' ناچتے گاتے' لچر بول بولتے' نازیبا حرکتیں کرتے مسلمان ہوتے ہوئے اسلامی تہذیب کا منہ چڑاتے نظر آتے ہیں۔ بلاشبہ یہ پروگرام حکومت وقت کے ایماء پر وضع کئے گئے ہیں اور ان میں شمولیت قوم کے کھاتے پیتے گھرانوں کے چشم و چراغ ہی کرتے ہیں۔ عوام کی اکثریت البتہ حیرت زدہ ہے اور ایک دوسرے سے پوچھتے سنائی دیتے ہیں کہ آخر ایسا انداز کیونکر اپنایا گیا ہے۔ یہ کوئی مشکل پہیلی نہیں۔ سازش بالکل واضح ہے۔ مغربی دنیا جس کا کرۂ ارض پر اس وقت طوطی بولتا ہے اگر خائف ہے تو صرف دین اسلام سے۔ ہم پاکستانیوں سے نہیں۔ ہم تو ان سے بھیک مانگتے ہیں۔ جس وجہ سے ہم سے ہماری ایمانی غیرت روٹھ چکی۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغربی دنیا ہمیں اسلامی تہذیب و ثقافت سے بالکل بیگانہ کر دینا چاہتی ہے اور اس منصوبے کے لئے موجودہ حکومت سے زیادہ کون موزوں ہوگا جسے اپنی بقا مغربی آقاؤں کی فرمانبرداری میں دکھائی دیتی ہے۔ یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے کہ مذکورہ ثقافتی پروگراموں کے ذریعے جو میٹھا زہر گھولا جارہا ہے یہ بالآخر ہماری قومی جڑیں کھوکھلی کردے گا۔ ہم میں حوادثات زمانہ کے جھٹکے برداشت کرنے کی زیادہ سکت نہیں۔ لہٰذا اگر عزت و وقار کے ساتھ زندہ رہنا ہے تو دین اسلام کے اصولوں کو عملی طور پر اپنانا ہوگا جس کا مرکزی نقطہ شرافت' دیانت اور شرم و حیا ہے۔

قیمت : ۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الھدیٰ

حافظ عاکف سعید

نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی ○ اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی ○

(وقوع قیامت کی قطعیت کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ اس کی قسم کھا کر اس کا اثبات فرما رہے ہیں بلکہ اس نفس ملامت گر یعنی ضمیر کو بھی اس معاملے میں بطور گواہ پیش فرما رہے ہیں جو ہر نیکی کے کام پر انسان کو اندر سے شاباش دیتا اور برے فعل پر باطنی خلش کا باعث بنتا ہے)

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے ○ کیوں نہیں، ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک درست کر دینے پر قادر ہیں ○

(کہ یہ تو انسان کی اپنی کوتاہ فہمی اور خام خیالی کا مظہر ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ نہ کر سکے گا ورنہ وہ ذات جو "علٰی کلِّ شیءٍ قدیر" اور خلّاق و علیم ہے، اسے انسانی انگلیوں کے پور.... کہ فنگر پرنٹ بھی انہی پوروں میں ہوتے ہیں.... تک درست کرنے کی پوری قدرت حاصل ہے)

بلکہ انسان چاہتا یہ ہے کہ آگے بھی بد اعمالیاں کرتا رہے ○

(بات یہ نہیں ہے کہ انسان اللہ کی قدرت کے بارے میں کسی مغالطے کا شکار ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ فسق و فجور اور بد اعمالیوں کا اس درجے خوگر ہو چکا ہے کہ آخرت کا اثبات کر کے وہ اپنی پُرتعیش زندگی کو منغص نہیں کرنا چاہتا بلکہ کبوتر کی مانند حقائق سے چشم پوشی اس کا وطیرہ بن چکی ہے)

پوچھتا ہے آخر کب ہو گا قیامت کا دن ○

(چنانچہ بجائے اس کے کہ آخرت کے بارے میں سنجیدہ رویہ اختیار کرے اور اس کڑے وقت کے لئے کچھ سامان کرنے کی فکر کرے، شرارت آمیز انداز میں پوچھتا ہے کہ جس قیامت کی خبر آپ دے رہے ہیں وہ آخر آئے گی کب؟)

(سورۃ القیامہ، آیات ۱ تا ۶)

جوامع الکلم

دنیا آخرت کی کھیتی ہے

(کہ اگرچہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پرکاہ کے برابر وقعت نہیں رکھتی، لیکن اس اعتبار سے دنیا کی زندگی انتہائی قیمتی اور وقیع ہے کہ آخرت کے انجام کا دارومدار اسی پر ہے۔ یہاں زمان و مکان کی حدود میں کئے گئے اعمال کے نتائج وہاں ابدی اور لافانی زندگی میں ظاہر ہوں گے اور جو کچھ انسان یہاں بوئے گا اسی کی فصل وہاں اسے کاٹنی ہو گی)

(الحدیث)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

بانی مدیر: اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۱۱
۱۳ / مارچ ۹۶ء

مدیر
حافظ عاکف سعید

کے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴۔ اے، مزنگ روڈ، لاہور

مقام اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۳۔۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: ۸ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی، اومان، مصر ۱۳/امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

لمحہ فکریہ!

بھارت کی عسکری قوت میں اضافہ اور اس سے پاکستانی سرحدوں کو لاحق خطرات، اندرونی طور پر گرتی ہوئی معاشی حالت اور امن عامہ کی بگڑتی ہوئی صورتحال اور اس طرح کے دیگر ملکی و قومی مسائل کو محسوس کرکے کسی بھی باشعور اور ذمہ دار شہری کا ذہنی طور پر شدید بے یقینی اور مایوسی سے دوچار ہونا قدرتی امر ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ نہ تو ملک میں ایسی کوئی بھاری بھرکم اور لوگوں کے معیار پر پوری اترنے والی شخصیت ہی نظر آتی ہے کہ جس پر اعتماد کرتے ہوئے کثیر تعداد میں لوگ "ہرچہ بادا باد" کہتے ہوئے اس کے پیچھے نکل کھڑے ہوں اور موجودہ حالات کا رخ بدل دیں اور نہ ہی ایسا کوئی ادارہ نظر آتا ہے جو عوام کو بھرپور اور اطمینان بخش راہنمائی فراہم کرسکے اور کسی مثبت اور دیرپا تبدیلی لانے کا امکان پیدا ہو۔ اس پر ستم بالائے ستم ایک طرف تو وہ مراعات یافتہ بالا طبقہ ہے جس کے پاس دولت کی ریل پیل ہے 'اقتدار کی صورت میں اللہ دین کا چراغ ہاتھ میں ہے' آگے پیچھے 'صاحب سلامت' کے گن گانے والوں کے لشکر ہیں "جو سب اچھا ہے" کی نوید سناتے نہیں تھکتے' یہ طبقہ ورلڈ کپ' بسنت میلوں' گولڈن جوبلی تقریبات یا پھر سیر و تفریح اور شکار جیسے مشاغل سے فارغ نہیں' دوسری طرف عوام کا باشعور، مگر وسائل کی کمی کا شکار طبقہ ہے جس میں زندگی کہیں کروٹ لیتی نظر ہی نہیں آتی۔

صرف گزشتہ چند روز میں قومی اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں پر ایک نظر ڈالیں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ بحیثیت مجموعی ہم کہاں کھڑے ہیں۔ بطور نمونہ چند سرخیاں ملاحظہ فرمائیں اور سوچیں کہ کیا ابھی مزید کسی انتظار کی گنجائش ہے۔

حقائق بتانا چاہتا ہوں' ملاقات کے لئے چند منٹ دیں۔ گرفتار جنرل عباسی کا آرمی چیف کو خط
"مجھے آپ کے سیکرٹریٹ سے اجازت حاصل کئے بغیر گرفتار کیا گیا' کئی ماہ سے غیر قانونی حراست میں ہوں"

ہرات پر کمانڈر اسماعیل کے حملے سے پاک ایران پراکسی جنگ چھڑ سکتی ہے۔ حمید گل
حکومت پاکستان افغان جہادی قوتوں سے بہتر تعلقات استوار کرے

ایران' بھارت اور چین کا "ایشیائی اتحاد" قائم ہونا چاہئے: ولائتی
بھارت سے ہر میدان میں تعلقات بہتر بنائیں گے!

داماد کے گھر پر چھاپہ' وفاقی حکومت نے چیف جسٹس سے رابطہ کرلیا
اخبارات میں چھپنے والی خبروں کی وضاحت فرمائیں۔ چیف جسٹس کو وزارت قانون کا خط

ایٹمی پروگرام کسی کو بتائے بغیر رول بیک کرنے کے معاہدہ پر اسحاق' بے نظیر اور اسلم بیگ نے دستخط کئے تھے۔ اوکلے

لیفٹیننٹ کرنل حامد کو گرفتار نہیں' اغوا کیا گیا ہے۔ بیگم نیر حامد
دوران تفتیش انہیں دل کا دورہ پڑا' آرمی چیف کو آگاہ کیا مگر کوئی جواب نہ ملا

یو۔ بی۔ ایل "اندھیرے" میں بک گیا۔ وغیرہ وغیرہ

جس ملک کا یہ حال ہو کہ کوئی بڑے سے بڑے واقعہ بھی اس کے لئے کسی اہمیت کا حامل نہ ہو تو اس ملک میں آپ کب تک خیر منائیں گے۔ یہ تو وہ بات ہوئی کہ "پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آجائے گی جبکہ وہ سوئے پڑے ہوں یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکایک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جبکہ وہ کھیل رہے ہوں؟" (الاعراف: ۹۷-۹۸)۔ آپ بتائیں کہ ملک میں کوئی بھی ایسا ادارہ موجود ہے جو ٹیسٹ کے طور پر کسی ایک ہی شکایت کا موثر ازالہ کرکے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

پوری زمین بمنزلہ مسجد اور سرائے کے ہے !

ذرائع پیداوار کسی کی ملکیت نہیں محض امانت ہیں

خلافت پوری مملکت کی ذمہ دار اور خدا کی حاکمیت کے آگے جواب دہ ہوتی ہے

خلافت کو وسیع اختیارات اس کی ذمہ داریوں کی بنا پر حاصل ہیں

مولانا محمد تقی امینی (مرحوم) کی ایک کتاب سے اقتباس

ذرائع پیداوار کی صحیح تنظیم و تقسیم پر ہی مملکت کی خوشحالی و فارغ البالی موقوف ہے اور اس میں اراضی کے مسئلہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

اس لئے ہدایت الٰہی نے حسب دستور اس مسئلہ میں بھی مقصد پر زیادہ زور دیا ہے کہ مخلوق کے لئے سہولت خورد و نوش کا سامان مہیا اور بلا تخصیص مذہب و ملت حسب ضرورت و صلاحیت اس کی تقسیم کا بندوبست ہوتا ہے۔ نیز مفاد عامہ کے پیش نظر اس نے تنظیم و تقسیم کی کوئی خاص سورت متعین نہیں کی بلکہ خلافت کو اختیار دیا ہے کہ وہ حسب حاجت و مصلحت تنظیم و تقسیم کا اس طرح نظام قائم کرے کہ عدل و انصاف کے ساتھ خلق اللہ کو رزق حلال پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوشی اور اللہ کے روبرو سرخروئی حاصل کر سکے۔

اس اہم مقصد کے حصول کے لئے خلافت پر یہ بندش نہیں کہ وہ ذرائع پیداوار کو افراد کے سپرد کرے یا جماعتوں کے' البتہ یہ ضروری ہے کہ ذرائع پیداوار جس کے بھی سپرد کئے جائیں اس کی حیثیت محض امین کی ہو اور اسی وقت تک ان کو اس کے استعمال و انتفاع کا حق حاصل ہو جب تک وہ حصول مقصد میں خلافت کا ہاتھ بٹاتے رہیں اور ایسی فضاء پیدا کرنے میں مددگار بنیں جو عام مخلوق کی خوشحالی و ترقی کا ضامن ہو۔

یہاں اس امر کی وضاحت غیر ضروری ہے کہ خلافت پوری مملکت کی ذمہ دار اور خدا کی حاکمیت و جلال و جبروت کے آگے جواب دہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ فاروق اعظمؓ نے ایک موقع پر فرمایا تھا :

> "فرات" کے کنارے اگر کتا بھی بھوک سے مر جائے گا تو قیامت کے دن "عمرؓ" سے اس کے متعلق باز پرس ہو گی۔ (توفیق الرحمٰن ص ۳۴

> **"دراصل رب العالمین کے سامنے جواب دہی کا حقیقی تصور خلافت کو گوشہ تنہائی میں بھی حق تلفی سے باز رکھتا اور ذرائع پیداوار کو اس طرح استعمال کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے۔ نہ کوئی چیز بیکار رہنے پائے اور نہ ضائع ہو"**

بحوالہ اسلام کا زرعی نظام ص ۸۸)

جواب دہی کے اس بنیادی تصور کے پیش نظر خلافت نہ خود سرچشمہ رزق پر قابض ہو کر من مانی کارروائی کرنے کی مجاز ہے اور نہ ذرائع پیداوار کو اس انداز میں دوسروں کے پاس رکھ سکتی ہے کہ وہ ذاتی وقار و اقتدار کے لئے کمزوروں کو اپنی غلامی پر مجبور کر سکیں۔

ذیل میں وہ چند صورتیں ذکر کی جاتی ہیں جو مذکورہ مقصد و مفاد عامہ کے پیش نظر خلافت فاروقی میں بروئے کار لائی گئی تھیں اور کسی ایک طریق کی پیروی ضروری نہیں قرار دی گئی تھی۔

(۱) عراق و شام فتح ہونے کے بعد اراضی کی تنظیم و تقسیم کے بارے میں مشورہ ہوا' مجلس شوریٰ میں دو قسم کی رائے رکھنے والے تھے' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ و حضرت بلالؓ وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ مفتوحہ زمین فوجیوں میں تقسیم کر دی جائے۔ اور حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت معاذؓ ابن جبل وغیرہ کی رائے تھی کہ خلافت کے زیر اہتمام اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جائے۔ فوجیوں میں تقسیم نہ کی جائے۔

چونکہ اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل مذکورہ مقصد اور مفاد عامہ کے پیش نظر مختلف تھا۔ اس بناء پر دونوں فریق اپنی رائے کی تائید میں آپ کے طرز عمل سے استدلال کرتے تھے ایک فریق کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طرز عمل تھا جو آپ نے بنو نضیر و بنو قریظہ کی کل زمین اور خیبر کے کچھ حصے کے بارے میں اختیار فرمایا تھا کہ یہ زمین آپ نے فوجیوں میں تقسیم کر دی تھی' اور دوسرے فریق کے سامنے وادی القریٰ اور مکہ کی کل زمین اور خیبر کی بقیہ زمین تھی کہ آپ نے مفاد عامہ کے پیش نظر باشندوں کے پاس رہنے دی تھی۔ (فوجیوں میں نہ تقسیم کی تھی۔ فوجیوں میں زمین کی تقسیم و عدم تقسیم کا معاملہ اس دور کی معاشرتی و سماجی

مصالح کی بناء پر تھا اس لئے موجودہ دور میں نہ تقسیم کو بنیاد بنا کر ملکیت زمین کی آڑ میں زمینداری و جاگیرداری کا جواز تلاش کیا جا سکتا اور نہ عدم تقسیم سے اسلام کے زرعی نظام کو اشتراکیت کے زرعی نظام میں محدود کرنے کی گنجائش نکلتی ہے' بلکہ ان دونوں صورتوں سے ان کی اصل روح اور مقصد میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ حالات کے تقاضا کے مناسب زمین کی تنظیم و تقسیم کا نظام قائم ہو سکے۔ مولف)

رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کی بناء پر ہر فریق اپنی جگہ مضبوط اور دلائل میں قوی تھا۔ اس لئے مجلس میں بڑی گرما گرم بحث ہونے کے باوجود کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا اور حضرت عمرؓ کو دوبارہ مجلس شوریٰ طلب کرنی پڑی جس میں آپ نے حالات کی نزاکت ملحوظ رکھتے ہوئے مجلس شوریٰ کے ممبروں کے علاوہ انصار کے دس معزز آدمیوں کو بھی خصوصی دعوت پر شریک کیا تھا۔

اس مجلس میں حضرت عمرؓ نے مجلس کے سامنے چند بنیادی "نکات" پیش کئے اور اپنی مدلل تقریر کے ذریعہ سب کو ان "نکات" میں غور و فکر کی دعوت دی جس کا خلاصہ یہ ہے۔ آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا :

"میں نے آپ حضرات کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ جس بار امانت کو آپ ہی لوگوں نے میرے سر پر رکھا ہے اس کے اٹھانے میں میری مدد کریں' اس وقت مجلس شوریٰ میں میری پوزیشن خلیفہ کی نہیں بلکہ آپ میں سے ہر فرد جیسی ہے' ہر فرد کو اپنی رائے پیش کرنے کا پورا اختیار ہے' ابھی تھوڑی دیر کی بات ہے کہ اس معاملہ میں مشورہ ہو چکا ہے مجلس کے کچھ لوگوں نے میری رائے کی مخالفت کی اور کچھ نے میری موافقت کی ہے۔

میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میری مرضی کی اتباع کریں اور حق بات چھوڑ دیں بلکہ میں صرف حق بات کی طرف ہی آپ حضرات کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ جس طرح میرے پاس اللہ کی کتاب ہے' ویسے ہی آپ لوگوں کے پاس بھی ہے جو ناطق بالحق ہے۔ اسی کو سامنے رکھ کر مشورہ دیجئے' جو کچھ اس میں موجود ہے اس پر عمل کرنا ہم سب کا فرض ہے"۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اس موقع پر "آیات فے" سے استدلال کیا تھا' جن میں بلا تخصیص و ترجیح مفتوحہ زمین میں سب لوگوں کا حق بیان کیا گیا فوجیوں کی تخصیص نہیں ہے۔ آیات فے یہ ہیں :

"اللہ نے جو فے (مال مفتوحہ) بستی والوں سے اپنے رسولؐ کو عطا فرمایا وہ اللہ اور رسول کے لئے اور اقرباء' یتیم' مسکین اور مسافر کے لئے ہے تاکہ تم میں سے دولتمندوں کے درمیان ہی سمٹ کر نہ رہ جائے اور جو کچھ رسولؐ تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس سے وہ منع کریں (نہ دیں) اس کو چھوڑ دو' اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے' وہ مال ان مفلس مہاجروں کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے ہوئے' اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی ڈھونڈنے کے لئے تیرے اللہ اور رسول (دین) کی مدد کرنے کے لئے تمہارے پاس آئے ہیں وہی لوگ سچے ہیں۔ اور ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو اس گھر (مدینہ) میں ایمان کی حالت میں مہاجرین کے پہلے سے ٹھہرے ہوئے ہیں' وہ لوگ ان مہاجرین سے محبت کرتے ہیں' ان کے آنے اور ان کی خاطر تواضع کرنے سے اپنے دلوں میں تنگی نہیں محسوس کرتے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ ان پر فاقہ ہی کی نوبت آ جائے اور جو لوگ اپنے نفس کو لالچ سے بچا لئے گئے وہی مراد پانے والے ہیں اور ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو ان کے بعد یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں مومنوں کی طرف سے کھوٹ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب آپ ہی نرمی کرنے والے اور مہربان ہیں۔

> **"خلافت نہ خود سرچشمہ رزق پر قابض ہو کر من مانی کارروائی کرنے کی مجاز ہے اور نہ ذرائع پیداوار کو اس انداز میں دوسروں کے پاس رکھ سکتی ہے کہ وہ ذاتی وقار و اقتدار کے لئے کمزوروں کو اپنی غلامی پر مجبور کر سکیں"**

حضرت عمر فاروقؓ نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے گزشتہ اجلاس کی کارروائی پر اجمالی روشنی ڈالی اور مقصد کو زیادہ واضح الفاظ میں اس طرح بیان کیا۔

"کیا آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں نہیں سنیں جو مجھے اس معاملہ میں شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ شاید ان کا یہ خیال ہو کہ میں ان کی حق تلفی کرنا چاہتا ہوں حالانکہ کسی فرد کی حق تلفی کرنا میرے نزدیک صریح ظلم ہے۔ معاذ اللہ! خدا شاہد ہے کہ میں نے کبھی کسی معاملہ میں ان پر ظلم کیا ہو یا اب ظلم کرنے کا ارادہ ہو۔ لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ عراق و شام فتح ہونے کے بعد اور کون سی زمین رہ گئی ہے جس کی آمدنی سے خلافت کا انتظام سنبھالا جا سکے گا۔ یہ تو محض اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے کسریٰ کے اموال' زمین' جائیداد اور جفاکش کام کرنے والوں پر ہمیں غلبہ عطا فرمایا ہے۔

آپ خوگ خود اس کے شاہد ہیں کہ اموال منقولہ میں نے فوجیوں میں تقسیم کر دیا۔ خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصہ) بھی مناسب محل پر صرف کر دیا۔ اب صرف زمین (جائیداد غیر منقولہ) باقی بچی ہے اس کے متعلق خیال ہے کہ اس کو اس کے آتش پرست مالکوں ہی کے پاس رہنے دیا جائے اور زمین پر ٹیکس (خراج) اور مالکوں پر ان کے جان و مال کی حفاظت کا معاوضہ (جزیہ) مقرر کر دیا جائے' تاکہ یہ سب آمدنی اجتماعی مفاد کے کاموں میں خرچ کی جائے اور اس کے ذریعہ فوجیوں کی تنخواہوں اور موجودہ اور بعد کے آنے والے لوگوں کا بندوبست کیا جائے۔

آپ ہی بتائیے کہ کیا یہ ممالک سرحدوں کی حفاظت کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے' کیا جزیرہ' کوفہ' بصرہ' عراق' شام اور مصر وغیرہ کے بڑے شہروں میں ان کی حفاظت کے لئے فوجی چھاؤنیوں کی ضرورت نہ ہو گی۔ اگر زمین تقسیم کر دی جائیں تو فوجیوں کی تنخواہیں' بھتے اور دوسرے لوگوں کے وظیفوں کی رقم کہاں سے آئے گی؟"

فاروق اعظمؓ کی اس بصیرت افروز تقریر سے تمام ممبر متاثر ہوئے اور انہوں نے ان الفاظ میں تائید کی۔

"سب نے کہا کہ بس آپ ہی کی رائے اس معاملہ میں زیادہ درست ہے"

حضرت عمرؓ کی تقریر اور شوریٰ کے فیصلہ میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ خلق اللہ کا مفاد اور احساس ذمہ داری ہے۔ دراصل رب العالمین کے سامنے جواب دہی کا حقیقی تصور خلافت کو گوشہ تنہائی میں بھی حق تلفی سے باز رکھتا اور ذرائع پیداوار کو اس

طرح استعمال کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے۔ نہ کوئی چیز بیکار رہنے پائے اور نہ ضائع ہو۔

حضرت عمرؓ کی رائے اور مجلس شوریٰ کے فیصلہ پر اسلامی عدالت کے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

حضرت عمرؓ کی یہ رائے کہ آپ نے مجاہدین اور فاتحین کے درمیان زمین تقسیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اس کی تائید میں قرآن حکیم سے دلائل پیش کئے' یہ سب محض توفیق الٰہی کا نتیجہ تھا اور کتاب اللہ پر بصیرت حاصل ہونے کی بناء پر تھا' جس حقیقت کو حضرت عمرؓ نے پالیا تھا اسی میں جماعتی لحاظ سے تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی لگان کی آمدنی کو ایک جگہ جمع کر کے عام ضروریات پر خرچ کرنا یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ زمین کو

"مفاد عامہ کے پیش نظر جب خلافت کسی صاحب زمین کو بے دخل کرنا چاہے تو نہ اس کی رضامندی ضروری ہے اور نہ معاوضہ کی شکل میں مخصوص رقم ادا کرنا لازمی ہے"

چند لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے اور وہی اس سے فائدہ اٹھاتے رہتے اگر لگان کی آمدنی لوگوں کی تنخواہوں اور وظیفوں کے لئے وقف نہ ہوتی تو سرحدوں کی حفاظت اور فوجیوں کی کفالت کس مال سے کی جاتی اور ظاہر ہے کہ کوئی ملک اس قسم کے انتظامات کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ (الخراج لابی یوسف ص ۲۷)

(۲) "مصر" فتح ہونے کے بعد بھی زمین کی تنظیم و تقسیم کے بارے میں مشورہ ہوا تھا۔ حضرت زبیر بن العوامؓ اور ان کے ہم خیال لوگوں کی رائے تھی کہ زمین فوجیوں میں تقسیم کر دی جائے' اور حضرت عمروؓ بن العاص (والی مصر) اور دوسرے لوگوں کی رائے تھی کہ خلافت کے زیر انتظام اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دی جائے۔ فوجیوں میں نہ تقسیم ہو۔

حضرت زبیرؓ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے۔

"اس زمین کو اللہ نے ہماری محنت و مشقت سے فتح کرایا ہے۔ ہم گھوڑ سوار لڑے ہیں۔ ہم نے پیادہ جنگ کی ہے' اس طرح ہم نے پورے مصر پر قبضہ پایا ہے' اس میں نہ والی مصر عمرو بن (العاص) کو کچھ اختیار ہے اور نہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کو اختیار ہے' جس طرح اموال منقولہ غازیوں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ اموال غیر منقولہ بھی انہیں کا حق ہے"۔

حضرت عمروؓ بن العاص کی تقریر کا خلاصہ :

"خلافت کے زیر انتظام اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دینے کی تجویز پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ جب معاملہ باہمی مشورہ سے نہیں طے ہو رہا تو ایسی اختلافی صورت میں امیر المومنین سے رائے لینا ضروری ہے' جب تک کہ ان کا کوئی قطعی فیصلہ میرے پاس نہ آ جائے گا۔ اس وقت تک میں کسی قسم کا اقدام نہیں کر سکتا"۔

آخر کار اجلاس میں یہ تجویز پاس ہو گئی کہ مجلس شوریٰ کی پوری کارروائی لکھ کر امیر المومنین کے پاس بھیجی جائے۔ چنانچہ عمروؓ بن العاص نے امیر المومنین کو شوریٰ کی کارروائی لکھ کر بھیجی۔ انہوں نے اس کا جو جواب دیا اس کا مضمون یہ تھا۔

"خط ملا' شوریٰ کی کارروائی معلوم ہوئی' کیا آپ لوگ مسلمانوں کے وظیفوں' غازیوں کی تنخواہوں اور بھتوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ میں فوجوں میں زمین تقسیم کر دینے کا حکم دے دوں تو بعد تک کے مسلمانوں کے لئے کیا چیز باقی بچے گی۔ جس کی مدد سے وہ اسلام کی حفاظت کر سکیں گے اور دشمنان اسلام پر غلبہ پا سکیں گے۔ میرے سامنے عام مسلمانوں' کمزوروں' قرض داروں اور بعد کے مجاہدوں کا معاملہ اور ان کا انتظام نہ ہوتا تو میں ضرور زمین کو تقسیم کرنے کا حکم دے دیتا۔ آپ لوگ زمین چھوڑ دیجئے تاکہ وہ عام مسلمانوں کے لئے وقف ہو جائے اور بعد کے لوگ بے دست و پا ہو کر نہ رہ جائیں"۔ (شرح معانی الاثار و طبقات ابن سعد بحوالہ اسلام کا زرعی نظام)

مصر میں فاروق اعظمؓ کی یہ مصلحت بینی اور

KHALID TRADERS
IMPORTERS—INDENTORS—STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER—SMALL TO SUPER—LARGE
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

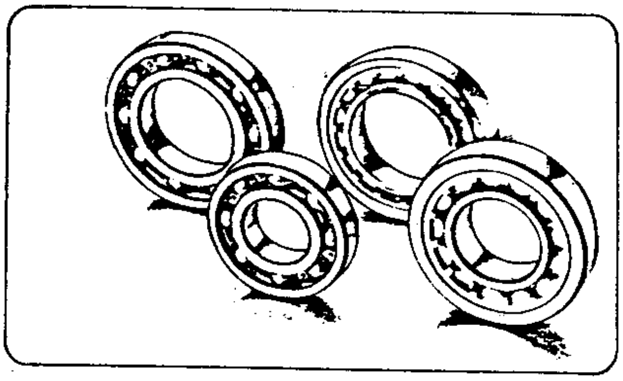

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210807

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

دوراندیشی عام طور پر پسند کی گئی اور آپ کے فرمان کے مطابق مفاد عامہ کے پیش نظر خلافت کے زیرانتظام زمین اصل باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی گئی۔

یہ مثالیں تو اس کی تھیں کہ فوجیوں میں تقسیم کے بجائے مفاد عامہ کے پیش نظر خلافت کے زیرانتظام اصل باشندوں کے پاس زمینیں رہنے دی گئی تھیں۔ لیکن خلافت فاروقی میں اس کی مثال بھی موجود ہے کہ خلق اللہ کے مفاد کے پیش نظر لوگوں کو دی ہوئی زمینیں واپس لے لی گئیں اور شخصی مفاد پر جماعتی مفاد کو مقدم رکھا گیا تھا۔ چنانچہ

(۳) "خالصہ زمین" کا کچھ حصہ فاروق اعظمؓ نے قوم بجیلہ کو دے دیا تھا۔ وہ تین سال تک ان لوگوں کے قبضہ و تصرف میں رہا' پھر جب خلافت نے

> **"اراضی کے معاملہ میں خلافت کے اختیارات بہت وسیع ہیں یہاں تک کہ خلیفہ کے لئے مفاد عامہ کے پیش نظر موقوفہ اراضی میں بھی واقف کی مقرر کردہ شرطوں کی مخالفت جائز ہے"**

واپس لینا چاہا تو انہوں نے بلاپس و پیش واپس کر دیا قیس بن حازم کے بیان کے مطابق واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔

"جنگ قادسیہ (جو ایرانیوں سے ہوئی تھی) میں اسلامی فوج میں قوم بجیلہ کے لوگوں کی تعداد چوتھائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو "سواد" کا چوتھائی حصہ دے دیا۔ وہ تین سال تک یہ زمین ان کے قبضہ میں رہی۔ ایک مرتبہ اس قبیلے کے چند افراد عمارؓ بن یاسر اور جریرؓ وغیرہ کسی ضرورت سے حضرت عمرؓ کے پاس آئے' حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ آپ لوگ اس زمین کو عام مفاد کے لئے خلافت کے حوالہ کر دیجئے' اس ارشاد پر ان لوگوں نے بلاتامل زمین خلافت کے حوالہ کر دی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سرکاری خزانہ سے جریر کو اسی دینار عطا کئے"۔ (کتاب الخراج ص ۴۵' ۴۹ و کتاب الاموال ص ۶۱' ۶۲)

اس واقعہ کی خبر قوم بجیلہ کی ایک عورت "ام کرز" کو ہوئی تو اس نے اپنے حصہ کی زمین واپس کرنے میں پس و پیش کیا اور حضرت عمرؓ کے پاس آکر عرض کیا:

"اے امیرالمومنین میرے والد کی وفات ہو گئی ہے "سواد" کی زمین میں ان کا بھی حصہ تھا (جو ترکہ میں مجھے ملا ہے) میں اس کو نہ واپس کروں گی' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے ام کرزؓ تیری قوم نے بلاچون وچرا واپس کر دی ہے اور تجھے اس کا اچھی طرح علم ہے' اس نے جواب دیا کہ قوم نے جو کچھ کیا مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں' میں تو اپنی زمین اس وقت تک نہ واپس کروں گی جب تک آپ مجھے ایک فرمانبردار اونٹنی نہ دیں جس پر سرخ رنگ کی گرم چادر اونٹنی نہ دیں جس پر سرخ رنگ کی گرم چادر پڑی ہو اور زرومال سے میرا ہاتھ نہ بھر دیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کی یہ خواہش پوری کی اور اسی دینار کے قریب نقد عطا کئے۔ (کتاب الخراج یحییٰ ص ۴۵' ۶۴' کتاب الاموال ص ۶۱' ۶۲)

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلافت مفاد عامہ کے پیش نظر جب چاہے زمین واپس لے سکتی ہے۔ اسی طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ واپسی کی صورت میں ہر شخص کے ذاتی مفاد کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ اجتماعی مفاد کے ساتھ ذاتی حقوق کی پامالی نہ ہو۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ خلافت کی جانب سے صاحب زمین کو بطور امداد جو کچھ دیا جائے' اس کی حیثیت لازمی طور سے معاوضہ کی ہو گی یا مفاد عامہ کے پیش نظر جب زمین واپس لینے کا سوال ہو تو خلافت کو بلامعاوضہ زمین لینے کا اختیار نہیں ہے۔ اسی طرح یہ نتیجہ نکالنا بھی صحیح نہیں ہے کہ خلافت کی جانب سے جب اس قسم کے تصرفات کئے جائیں تو ان میں صاحب زمین کی رضامندی ضروری ہے۔ جیساکہ ذیل کی تصریحات سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔

ابوعبید کہتے ہیں:

جو لوگ مفتوحہ زمین کو اصل باشندوں کے قبضہ میں رہنے دینے کے مسئلہ میں فوجیوں کی رضامندی ضروری سمجھتے ہیں (جیساکہ امام شافعیؒ کا خیال ہے' ان کے لئے یہ واقعہ کیسے دلیل بن سکتا ہے۔ جب کہ اس قسم کے واقعہ عراق و شام میں اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دینے کی جب حضرت بلالؓ وغیرہ نے مخالفت کی تھی اور اس کو فوجیوں میں تقسیم کرنے پر اصرار کیا تھا' تو حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق فرمایا تھا اللھم اکفینھم (اے اللہ تو ہی ان کے لئے کافی ہے) اس وقت ان لوگوں کی رضامندی کہاں حاصل کی گئی تھی' جس کی بناپر کہا جائے کہ مذکورہ واقعہ میں حضرت عمرؓ ام کرزؓ کو راضی کرنا چاہتے تھے اور صاحب زمین کی رضامندی کے بغیر انہیں بے دخل کرنے کا کوئی حق نہ تھا"۔ (کتاب الاموال' ص ۶۲' ۶۳)

ابوبکر جصاص قوم بجیلہ کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"اس میں قوم بجیلہ کی رضامندی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ زمین کو واپس کئے بغیر چارہ نہیں ہے اور اسی میں لوگوں کی بھلائی ہے' رہا ام کرزؓ کا معاملہ تو اس کو حضرت عمرؓ نے سرکاری خزانہ سے (بطور امداد) رقم دی تھی (لازمی طور سے اس کی حیثیت معاوضہ کی نہ تھی) کیونکہ خلیفہ کو اس کا اختیار تھا کہ زمین واپس لئے بغیر بھی سرکاری خزانہ سے

خود تو ڈوبے تھے......!

قانون قدرت "ہر کمال را زوال" کے مصداق امریکی معاشرہ زوال سے دوچار ہے۔ کسی قوم کی عظمت صرف اس کی عسکری قوت سے نہیں ناپی جاتی۔ جب کوئی معاشرہ اخلاقی طور پر ناکارہ اور غلیظ ہو جاتا ہے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت تباہی سے بچا نہیں سکتی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب قوموں پر زوال آتا ہے تو وہاں وہی معاشی' سماجی اور اخلاقی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے جس کا آج امریکہ کو سامنا ہے۔ ہمارے لئے امریکہ آج معبود کا درجہ حاصل کر گیا ہے۔ ہماری قسمت کا مالک امریکہ ہے۔ ہم امریکہ کے اشارے کے منتظر رہتے ہیں کہ کہیں ہم سے کسی حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہو جائے۔

کاش! اب بھی ہم ہوش کے ناخن لیں اور واپس اللہ سے رجوع کریں۔ ہم اپنے کرتوتوں کے سبب پہلے ہی تباہی کے کنارے جا پہنچے ہیں۔ امریکہ جیسے زوال پذیر معاشرے کے ساتھ نتھی ہو کر ہم اپنے برے انجام کو اور قریب لائیں گے۔!!

اس عورت کو عطیہ دے"۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۵۳۱،۵۳۳)

حاصل یہ ہے کہ مفاد عامہ کے پیش نظر جب خلافت کسی صاحب زمین کو بے دخل کرنا چاہے تو نہ اس کی رضامندی ضروری ہے اور نہ معاوضہ کی شکل میں مخصوص رقم ادا کرنا لازمی ہے البتہ اس شخص کے جائز حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ خلافت کے تصرف سے وہ پامال نہ ہونے پائیں خواہ اس کی صورت معاوضہ کی ہو یا امدادی عطیات کی ہو۔

دراصل زمین کے معاملہ میں خلافت کے اختیارات بہ نسبت اموال منقولہ کے زیادہ وسیع ہیں' خلافت راشدہ کے بہت سے تصرفات و واقعات سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ ذیل کی تصریحات سے بھی مذکورہ حقیقت ثابت ہوتی ہے مثلاً ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

زمینیں ہماری (خلافت کی) ہیں (کتاب الاموال ص ۲۷۹)

حضرت علیؓ نے ایک شخص کے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا:

بے شک تیری زمین ہماری (خلافت کی) ہے (احکام القرآن ج ۳ ص ۵۳۲)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

دارالاسلام کے اطراف (جملہ حصے) خلیفہ المسلمین کے زیر اقتدار ہوتے ہیں (المبسوط ص ۹۳)

امام مالک کا ارشاد ہے:

زمینیں قوت حاکمہ (خلافت) کی ہوتی ہیں۔ (المحلی ج ۸ بحوالہ اسلام کا زرعی نظام ص ۱۳۱)

ایک موقع پر علامہ عینی کہتے ہیں

زمین کا معاملہ خلیفہ (خلافت) کے سپرد ہے (عینی ج ۶ ص ۲۹)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

پوری زمین بمنزلہ مسجد اور سرائے کے ہے جو مسافروں پر وقف ہوتی ہے اور سب لوگ اس میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اسی لئے ہر پہلے آنے والے کو پیچھے آنے والوں پر ترجیح ہوتی ہے۔ زمین پر آدمی کی ملکیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ قابض کو بہ نسبت دوسرے کے اس سے زیادہ انتفاع کا حق ہے" (حجۃ اللہ البالغہ ج۲)

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ اراضی کے معاملہ میں خلافت کے اختیارات بہت وسیع ہیں یہاں تک کہ خلیفہ کے لئے مفاد عامہ کے پیش نظر موقوفہ اراضی میں بھی واقف کی مقرر کردہ شرطوں کی مخالفت جائز ہے۔ چنانچہ اراضی موقوفہ کی بحث میں فقہا نے کہا ہے۔

جب وقف کی اکثر جہات گاؤں اور مزروعہ زمینیں ہوں تو خلافت کو اپنی صوابدید کے مطابق اس کا انتظام کرنا چاہئے' خواہ اس میں واقف کی شرطوں کی مخالفت پائی جاتی ہو کیونکہ گاؤں اور زمینیں دراصل بیت المال (خلافت) کی ہوتی ہیں"۔

زمین کے باب میں اصول وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بیان کیا کہ خلافت الٰہیہ میں زمین و جائداد پر کسی کے قبضہ ہونے کا صرف یہ مطلب ہے کہ قابض کو بحیثیت "امین" کے اس سے انتفاع کا حق حاصل ہے' اور یہ امانت اسی وقت تک اس کے قبضہ میں رہے گی۔ یا اس سے انتفاع کا حق اسی وقت تک رہے گا جب تک خلق اللہ کے مفاد میں وہ خلافت کا ہاتھ بٹائے اور ایسی فضا پیدا کرنے میں مددگار بنے جو مخلوق کی خوشحالی اور ترقی کی ضامن ہو۔ لیکن جب اس کی خلاف ورزی یا امانت میں خیانت ہونے لگے تو خلافت کو بے دخل کرنے یا جو مناسب صورت اس کی سمجھ میں آئے اس پر عمل کرنے کا پورا اختیار ہے۔ جیسا کہ امام ابویوسفؒ نے ہارون الرشید کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

"جس میں عام خاص تمام مسلمانوں کی بھلائی اور ان کے لئے زیادہ نفع ہو۔ اس میں آپ کو پورا اختیار ہے اور وہ آپ کے دین کے لئے بھی محفوظ صورت ہے"

خلافت کے اس اختیار میں نہ حقوق ملکیت کا "گورکھ دھندا" حائل ہوتا ہے اور نہ محض جذباتی چیزیں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔

چونکہ خلافت کے ہر تصرف و فیصلہ میں اشخاص کے ذاتی مفاد کا لحاظ ضروری ہے۔ اس لئے ایسے تمام مواقع میں وہ ذاتی مفاد کا پورا لحاظ رکھتی ہے۔ لیکن ذاتی اور جماعتی مفادات کے ٹکراؤ کی صورت میں وہ جماعتی مفادات کو ترجیح دیتی ہے۔

یہ واضح رہے کہ خلافت کے مذکورہ بالا وسیع اختیارات اس کی ذمہ داریوں کی بناء پر اس کو حاصل ہیں' دوسری حکومتیں اسی وقت ان سے استدلال کر سکتی ہیں جب وہ بھی خلافت جیسی ذمہ داریاں قبول کریں' ہر حکومت اس کی مجاز نہیں ہے۔

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی علمی و فکری اور دعوتی و تحریکی کاوشوں کا نچوڑ

۲۸۰ صفحات پر مشتمل ایک اہم علمی دستاویز جس میں عملی خطوط کی نشاندہی بھی موجود ہے

دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر

■ سفید کاغذ ■ عمدہ کتابت ■ دیدہ زیب طباعت ■ قیمت مجلد ۸۰ روپے ■ غیر مجلد ۶۰ روپے

صدر مملکت جلد سپریم کورٹ کا بینچ تشکیل دیں

وفاقی شرعی عدالت کا سود کے بارے میں تاریخی اور جرات مندانہ فیصلہ ہنوز تشنہ تکمیل ہے

سیاسی و مذہبی زعماء اس مطالبے کی تائید فرمائیں

۲۹/ فروری کو لاہور پریس کلب میں جناب محمد اشرف وصی ناظم 'تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے خطاب کا متن اور 'The News' اور 'نوائے وقت' کی رپورٹ کی ایک جھلک

پاکستان کے نام سے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کا قیام دو قومی نظریئے کا مرہون منت ہے جس کی بنیاد دین اسلام ہے' جو قرآن و سنت کے مجموعے کا نام ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہ ؐ میں سود کے حرام مطلق ہونے کا واشگاف اور دو ٹوک اعلان کر کے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ "اے مسلمانو! ہر قسم کا سودی لین دین چھوڑ دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے"۔ (البقرۃ)

۱۔ سودی نظام معیشت ایک جانب اللہ اور اس رسول کے واضح احکامات کی کھلی مخالفت بلکہ بغاوت کے مترادف ہے تو دوسری طرف عوام کے استحصال کا بدترین ذریعہ ہے۔

۲۔ سودی نظام درحقیقت ایک بدترین لعنت ہے جو ہم پر مسلط ہے۔ سود کی اسی مکروہ لعنت کی وجہ سے ہم بے پناہ غربت' تیزی سے بڑھتی ہوئی مہنگائی اور بے روزگاری کے عفریت کا شکار ہیں۔

۳۔ ملکی سرمایہ داروں اور غیر ملکی عالمی مالیاتی اداروں سے ملکی ترقی اور دفاع جیسے مقدس فریضے کے لئے حاصل کئے گئے قرضوں پر ملک کے سالانہ بجٹ کا آدھے سے بھی زیادہ حصہ صرف ہو جاتا ہے۔

۴۔ ان حالات میں وفاقی شرعی عدالت نے بھی ۱۴/ مئی ۹۲ء میں اپنے ایک تاریخ ساز فیصلے کے ذریعے ملک کے موجودہ سودی نظام کے حرام ہونے کا فیصلہ صادر کر کے اسے فوری طور پر سود کی لعنت سے پاک کرنے کا حکم دے دیا۔ وفاقی شرعی عدالت کی جانب سے سود کی حرمت کے تاریخی اور جرات مندانہ فیصلے نے پاکستانی قوم کو فیصلہ کن دوراہے پر کھڑا کر دیا۔

۵۔ بحیثیت مسلمان ہمارا فرض تھا کہ ہم وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کو فوراً عملی جامہ پہناتے اور خدا اور رسول ؐ کی خوشنودی حاصل کر کے ملک و قوم کو فلاح و ترقی کی راہ پر گامزن کر دیتے مگر اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت کے سربراہ میاں محمد نواز شریف نے اللہ اور رسول ؐ کی ناراضگی کے مقابلے میں امریکہ اور عالمی مالیاتی اداروں کی خوشنودی کو زیادہ اہمیت دی اور وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کروا دی۔ چنانچہ سپریم کورٹ نے ایک فیصلے کے ذریعے سود کی حرمت کے شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف حکم امتناعی جاری کر دیا۔

۶۔ ساڑھے تین سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف دائر کی گئی اپیل کی سماعت کا فیصلہ تو درکنار' اس اپیل کی سماعت کرنے والے شریعت اپیلیٹ بینچ کی تشکیل کا صدارتی حکم نامہ بھی جاری نہ ہو سکا۔

۷۔ اس پس منظر میں تنظیم اسلامی صدر مملکت فاروق احمد خان لغاری سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنی آئینی اور دستوری ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے فوری طور پر سپریم اپیلیٹ بینچ تشکیل دے کر سود کی حرمت کے فیصلے کے خلاف دائر اپیل کی فوری سماعت کے احکامات جاری کریں تاکہ سودی نظام معیشت کے بارے میں قطعی فیصلہ سامنے آ سکے۔

۸۔ تنظیم اسلامی پاکستان ملک کے جملہ دینی مذہبی رہنماؤں' صحافی برادری' سیاسی و سماجی نمائندوں' دانشوروں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ سود کی حرمت پر مبنی اہم فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بینچ کی تشکیل کے مطالبے کی پرزور تائید کریں اور اللہ اور رسول ؐ کے آگے سرخرو ہوں تاکہ پاکستان کے قیام کا مقصد پورا ہو سکے۔

تنظیم اسلامی یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ اگر صدر مملکت نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف دائر کردہ اپیل کی سماعت کے لئے سپریم کورٹ کا بینچ تشکیل دینے کا اعلان نہ کیا تو وہ نہ صرف اپنے آئینی و دستوری فرائض سے انحراف اور غفلت کے جرم عظیم کے دانستہ مرتکب ہوں گے بلکہ ان کے اس طرز عمل کی وجہ سے ان کی دین اسلام سے وابستگی اور وفاداری بھی مشکوک قرار پائے گی۔

مخلوط انتخابات..... نظریہ پاکستان کی نفی ہے

بیسویں صدی کے آغاز ہی میں مسلم لیگ کا قیام حاکم انگریز اور متعصب ہندو کو یہ واضح پیغام تھا کہ برصغیر ہند میں مسلمان قوم جداگانہ تشخص کی حامل ہے اور ہندو سے صدیوں کا جغرافیائی قرب اس کی طرز معاشرت میں کوئی شگاف نہیں ڈال سکا۔ برصغیر کا مسلمان جاننے لگا تھا کہ سماجی اور مذہبی سطح پر اسے ملیچھ جاننے والا ہندو سیاسی سطح پر اشتراک صرف اس لئے چاہتا ہے تاکہ انگریز کی خالی کردہ کرسی پر براجمان ہو جائے اور مسلمان جو پہلے ہی معاشی اور سیاسی سطح پر بہت کمزور ہے اسے اپنی اکثریت کی بنیاد پر غلام

Ashraf Wasi addressing the press conference at Lahore Press Club.

TI for SC bench to hear appeal on interest system

By Our Correspondent

IF the president does not announce the constitution of a Supreme Court bench to hear the appeal, challenging Federal Shariat court's verdict of May 12, 1992, asking the government to abolish the system based on interest, he would not only be deviating from Constitution of 1973, but also making his commitment to religion skeptical.

These views were expressed on behalf of Dr Israr, Amir Tanzeem-e-Islami (TI), by a party spokesman while talking to newsmen at Lahore Press Club on Thursday. The conference was held to make an appeal to President Farooq Khan Leghari to order the constitution of an appellate bench of Supreme Court to hear the pending case regarding the abolishing of the interest system in Pakistan.

A team of TI Nazims from Lahore, headed by Muhammad Ashraf Wasi, Nazim Lahore division, criticised the government for failing to implement Shariah in the country. The government was lambasted especially for persisting with the western interest-based monetary system.

The meeting was also attended by Hafiz Muhammad Iqbal, Amir Lahore Cantt Ayub Beg Mirza, Amir Lahore Central Iqbal Hussain, Amir Lahore North Iqbal Hussain, Amir Lahore West and Dr Arif Rashid, Amir Lahore East. The team, however, did not have any answers to queries hurled by a section of the press regarding any alternative, in the clergy's mind, against the interest-based monetary system.

The decision whether we should have an interest-based monetary system or the Islamic monetary system based on profit or loss sharing is yet to be taken. Ours is a hotchpotch economy where two forms of monetary system are operating parallel, often colliding with each other. There is a dire need for repealing one monetary system to run the financial matters of the state smoothly, and more importantly, to satisfy at least one school of thought.

Tanzeem-e-Islami termed the idea of separate electorate against the spirit of two nation theory and ideology of Pakistan.

بنا لے۔

بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح ہندو کی اس بدنیتی کو بھانپ چکے تھے لہٰذا انہوں نے اپنی اصول پسندی' جانفشانی اور برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت کی حمایت سے انگریزوں اور ہندوؤں کی شدید مخالفت کے باوجود بحیثیت قوم برصغیر میں مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کو منوایا۔ اور اسی بنیاد پر پاکستان کا مطالبہ دنیا کے سامنے رکھا کہ مسلمان کیونکہ ایک الگ قوم ہے لہٰذا اسے یہ حق حاصل ہے کہ برصغیر کے مسلم اکثریت والے علاقوں پر مشتمل ایک الگ ملک قائم کیا جائے جس کی تعریف قائداعظم نے کچھ یوں کی "ہم پاکستان اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ دنیا کو اسلامی اخوت و حریت اور مساوات کا نمونہ دکھا سکیں"۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلمانان ہند نے مسلم لیگ کے اس فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہے اور مسلم لیگ اس کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس پس منظر میں پاکستان میں مخلوط انتخابات کا رائج کرنا کیا یہ تسلیم کرنا نہیں کہ برصغیر کے مسلمانوں کا موقف غلط اور کانگرس کا نظریہ درست تھا۔ کیا پاکستان میں مخلوط انتخابات کا انعقاد نظریہ پاکستان کی نفی نہیں۔ کیا کسی نظریاتی ریاست میں اس نظریہ کے منکر افراد کو دہرا ووٹ استعمال کرنے کا حق دینے کی تاریخ میں کوئی اور مثال بھی ملتی ہے؟ یقیناً نہیں۔

اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے اقلیت کے حقوق کی کس طرح نگہداشت کی ہے۔ اقلیتوں کی جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ تاریخ میں صرف اور صرف ایک مسلمان جرنیل نے یہ مثال قائم کی تھی کہ جب اسے اپنی فوج مرکز کے حکم کے تحت ایک ایسے علاقے سے نکالنی پڑی تھی جہاں کے غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جا چکا تھا تو اس نے غیر مسلموں کو اکٹھا کر کے ان کا جزیہ واپس کر دیا تھا کہ اب ہم کیونکہ آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے لہٰذا ہم آپ کو وہ رقم واپس کر رہے ہیں جو آپ کی حفاظت کی خاطر وصول کی گئی تھی۔

اقلیت کے حقوق کی حفاظت اکثریت پر فرض ہے لیکن انہیں اکثریت پر مسلط کر دینا ظلم ہے اور اسلام نام ہے عدل کا' ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا۔ لہٰذا تنظیم اسلامی حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کرتی

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور ڈویژن کے ناظم محمد اشرف واصی دیگر رفقاء کے ساتھ پریس کانفرنس کر رہے ہیں

کیا پاکستان قائد اعظم نے بنوایا تھا؟

منصور احمد

لاہور میں مسلم لیگ کے مارچ ۱۹۴۰ء میں منعقدہ اجلاس میں منظور کردہ ۲۴ / مارچ ۱۹۴۰ء کی وہ تاریخی قرارداد بھی شامل تھی جس میں ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق میں مسلم اکثریت کے خطوں پر مشتمل ایسی آزاد ریاستیں قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا جن میں شامل وحدتیں خود مختار اور خود نگر ہوں۔ اس مقصد کے لئے ملحقہ وحدتوں میں ردوبدل کر کے موزوں حلقہ بندیاں قائم کرنے کی تجویز بھی پیش کی گئی تھی۔

لاہور کی قرارداد سے ملک میں ایکدم ہلچل پیدا ہو گئی اور ہندو پریس نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ "پاکستان" کا نہ تو قرارداد میں ہی کوئی ذکر تھا اور نہ جناح یا دوسرے کسی راہنما نے اس اجلاس میں اس کا نام لیا تھا لیکن مسلم لیگ کے مخالفین نے "پاکستان" کے لفظ کو اس قدر شہرت دے دی کہ بعد میں جناح نے اسے اپنا لیا اور کچھ عرصے بعد مسلم لیگ نے مدراس میں ہونے والے اجلاس (۱۵/ اپریل ۱۹۴۱ء) میں اسے باقاعدہ اختیار کر لیا۔ جناح کا کہنا تھا کہ پاکستان کا لفظ ہم نہیں لائے' ہندو پریس نے ہمیں دیا ہے۔ یہ ہندو لیڈر تھے جو مسلمانوں کو نہ صرف علیحدگی اور تقسیم کی طرف دھکیل رہے تھے بلکہ اپنی اکثریت کے بل پر بڑے متبکرانہ انداز میں ان کے لئے ملک کا نام اور اس کا تصور بھی تجویز کر رہے تھے حالانکہ جناح کے ذہن میں ابھی اس کا کوئی تصور نہیں ابھرا تھا۔ بہت سے باخبر وقائع نگار یہ خیال ظاہر کرتے تھے کہ یہ قراداد ایک چال تھی تاکہ کچھ لے دے کر تصفیہ ہو سکے۔

ڈاکٹر عائشہ جلال کا استدلال ہے کہ قرارداد میں شمال مغربی اور مشرقی خطے کے درمیان خلاء باقی رکھنے کا مطلب ہی یہ تھا کہ اسے ایک حربے کے طور پر پاس کیا گیا تھا۔ پنڈرل مون (Penderal Moon) اپنی کتاب Divide and Quit کے صفحہ ۲۱ پر بیان کرتے ہیں کہ نجی طور پر جناح نے لندن میں ایک دو آدمیوں کو بتایا تھا کہ لاہور کی قرارداد ایک تدبیر کے طور پر آگے لائی گئی ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ۶ سال بعد '۴۶ء کے کیبنٹ مشن پلان کو قبول کر کے وہ تقسیم سے کم تر پر تیار تھے۔ اسی طرح "Ten year of Freedom" کے مصنف 'کانجی دوار کا داس کا کہنا ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ جناح پاکستان چاہتے تھے۔ ۱۹۴۶ء تک وہ متحدہ ہندوستان کے لئے کام کرنے کو تیار تھے' پاکستان کی بات وہ کسی موزوں سمجھوتے تک پہنچنے کے لئے کرتے تھے۔ کانجی دوار کا داس اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب مارچ ۱۹۴۰ء کے ریزولیشن کے بعد پہلی دفعہ جناح سے ملا اور انہیں بتایا کہ سکندر حیات خان نے مجھے صاف صاف بتا دیا ہے کہ یہ ریزولیشن مخالف فریق کو تصفیے پر آمادہ کرنے کا ایک حربہ ہے تو جناح نے فوراً جواب دیا کہ "کچھ لو اور کچھ دو" کی بات اسی مدت میں صحیح ہو سکتی ہے کہ دوسرا فریق بھی محسوس کرے لہٰذا کانگریس کو بولنے دو۔

جب دوسری جنگ عظیم برطانیہ کے لئے خطرناک ہوتی جا رہی تھی اور جاپانی سنگاپور ملایا اور برما تک آ گئے تھے تو اس ڈر سے کہ یہاں کوئی گڑبڑ نہ ہو انگلینڈ میں برطانوی حکومت نے ہندوستانیوں کو اطمینان دلانے کے لئے برطانوی کیبنٹ کے ممبر سر سٹیفورڈ کرپس کو ہندوستان بھیجا تاکہ وہ حکومت خود اختیاری کے بارے میں بات چیت کرے۔ کرپس ۲۳ / مارچ ۱۹۴۲ء کو ہندوستان پہنچے اور وہ پیشکش کی جو "کرپشن پیشکش" کہلاتی ہے۔ ہندوستانی لیڈروں کے ساتھ ان کے طویل مذاکرات ہوئے مگر کانگریسی لیڈر فوری طور پر قومی حکومت کے قیام پر مصر رہے۔ مولانا آزاد نے کرپس کو ایک خط لکھا کہ اس وقت گروہی مسائل جیسے معاملات چھیڑنا بے معنی ہے۔ چونکہ کانگریس اور کرپس کے درمیان بمعہ مسلم لیگ کوئی تصفیہ نہ ہو سکا لہٰذا کانگریس نے بالاخر اعلان کر دیا کہ کرپس پیشکش قبول نہیں کی جا سکتی۔

اس کے بعد کسی ایسے حل کی جستجو شروع ہوئی جس میں ہندوستان کا اتحاد بھی برقرار رہے اور مسلمان اقلیت کو بھی تحفظ فراہم ہو۔ اس ضمن میں پہلی کوشش کانگریس کے ایک ممتاز رکن بھالو بھائی ڈیسائی اور مسلم لیگ کے لیاقت علی خان کی طرف سے ہوئی۔ اس پر ۴۵-۱-۱۱ کو دستخط ہوئے اور اسے ڈیسائی لیاقت علی معاہدہ کا نام دیا گیا۔ اس میں مرکز میں ایک ملی جلی وزارت کی تجویز رکھی گئی تھی جس میں کانگریس اور مسلم لیگ کے نامزد کردہ ارکان برابر تعداد میں اور دیگر اقلیتوں' مثلاً نچلی ذات اور سکھوں کے کچھ نمائندے اور کمانڈر انچیف کو شامل کیا گیا تھا۔ اس کے باوجود کہ ڈیسائی نے گاندھی جی کو پوری طرح بتا کر ساری تفصیلات طے کی تھیں جب ان کا اعلان کیا

(باقی اندرونی ٹائٹل پر)

دستوری اصطلاح

ہم چاہتے ہیں کہ پارلیمنٹ اس قانون اصطلاحات میں ایک دفعہ کا اضافہ کر دے جس کا منشا اس مطلب کا اظہار ہو کہ اب تک جن علاقوں کو صوبہ کہا جاتا تھا۔ انہیں اب اسٹیٹ (state) مانا جائے۔ اس میں پارلیمنٹ کو کوئی اعتراض نہ ہو گا کیونکہ اس پر نہ نظام میں کسی تبدیلی کی ضرورت پڑتی ہے نہ خرچ میں اضافہ ہوتا ہے جو رقبہ ایک زبان رکھتا ہے اور معاشرت میں تقریباً یکساں ہے اسے ایک ملک یا اسٹیٹ ماننا حقیقت کے زیادہ قریب ہے اور جدید نظام میں اسے صوبہ قرار دینا بالکل بے معنی ہو گا بلکہ اس علاقے کے باشندوں کی توہین ہو گی۔

(از خطبات و مقالات مولانا عبید اللہ سندھی)

زندہ اور خود مختار قوموں میں ہمارا کوئی مقام اور مرتبہ نہیں

یہ خطہ ارضی عیار کی سازشوں کی آماجگاہ اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کا مرکز بن چکا ہے

امت مسلمہ کا یہ جلیل القدر مسافر اب ایک درماندہ مسافر بن کر کاروان اسلام سے بچھڑتا ہوا نظر آرہا ہے

نعیم اختر عدنان

دنیائے انسانیت کی ہدایت و رہنمائی اور قیادت و سیادت کے منصب جلیلہ سے بنی اسرائیل (یہود) کو معزول کر کے آمنہ کے لال ؐ کے ذریعے امت مسلمہ کو اس اعزاز و افتخار کا حق دار بنا دیا گیا اور حضور ﷺ کی عالمی بعثت امت مسلمہ کی تاسیس کی بنیاد قرار پائی۔

دین حق کی سربلندی اور اسلام کے عادلانہ نظام حیات کے غلبے کے لئے پیغمبر کائنات ؐ نے چوتھائی صدی سے بھی کم عرصے میں عرب کے جاہلی تمدن کو دنیا کے متمدن ترین فلاحی اور ترقی یافتہ معاشرے میں تبدیل کر دیا۔ یہ تبدیلی عقائد و نظریات سے لے کر سیاست و معیشت اور معاشرت ہر شعبہ ہائے حیات میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ دنیا کے دانشوروں کو اسے تسلیم کئے بغیر چارۂ کار نہ رہا' بقول شاعر ۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ پود سب انہی ؐ کی لگائی ہوئی ہے

خاتم الانبیاء ﷺ کی پاکیزہ سیرت و صحبت سے فیض یافتہ صحابہ کرام نے خلافت راشدہ کی صورت میں ایسا عادلانہ اور مبنی برحق نظام متعارف کرایا کہ دنیا آج تک اس دلفریب و خوشنما اور حسین و جمیل نظام حیات کی خواہاں نظر آتی ہے۔ اسی نظام کے قیام کے لئے مملکت خداداد پاکستان کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اگرچہ دنیا میں بے شمار قومیں مختلف ممالک میں آباد ہیں مگر مملکت خداداد پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کا معاملہ دیگر اقوام سے یکسر مختلف اور جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔ دیگر ممالک کی بنیاد وطنی' لسانی' جغرافیائی اور نسلی بنیادوں پر استوار ہے جب کہ پاکستان کا قیام دو قومی نظریئے کا مرہون منت ہے۔ گویا پاکستان عقیدے اور مذہب کی بنیاد پر قائم ہونے والا دنیا کا واحد ملک ہے۔ جس کی وضاحت علامہ اقبال نے یوں کی ہے ۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ؐ

نصف صدی قبل دنیا کے نقشے پر پاکستان کے نام سے سب سے بڑی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت تشکیل پاکستان کا واحد مقصد یہ بتایا گیا تھا کہ یہاں اسلام کا عادلانہ نظام رائج کیا جائے گا تاکہ دنیا کے سامنے عصر حاضر میں اسلام کے اصول حریت و اخوت و مساوات کا عملی نمونہ قائم کر کے دکھا دیا جائے۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے الفاظ میں پاکستان کو اسلامی اصولوں پر مبنی جدید تجربہ گاہ کی شکل دی جاسکے۔ قوم پاکستان کے قیام کے پچاس سال پورے ہونے پر "گولڈن جوبلی تقریبات" منا رہی ہے۔ یہ رمضان المبارک ہی ایک بابرکت اور مقدس رات تھی جس میں پاکستان قائم ہوا' چنانچہ اس ماہ مبارک میں پاکستان کے قیام کو نصف صدی کا عرصہ مکمل ہو چکا ہے۔ بقول شاعر۔ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں' ایک نیا ملک ابھرا' ایک نئی طاقت نے جنم لیا۔ امت مسلمہ کے قافلے کا مسافر رواں دواں ہوا۔ نظام خلافت کے قیام کا بار اس کے توانا اور مضبوط کندھوں پر تھا مگر۔

وائے ناکامی کہ متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا
رفتم کہ خار از پا کشم' محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم' و صد سالہ راہ ہم دور شد

کے مصداق امت مسلمہ کے کاروان کا یہ جلیل القدر مسافر اب ایک درماندہ مسافر بن کر کاروان اسلام سے بچھڑتا ہوا نظر آرہا ہے۔ کئی سو سالہ تجدیدی مساعی کا امین یہ خطہ ارضی عیار کی سازشوں کی آماجگاہ اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کا مرکز بن چکا ہے۔ ملک کی داخلی صورت حال "سب ہی برا" کی عکاسی کر رہی ہے۔ پاک وطن کا ہر شعبہ اسلامی سانچے میں ڈھلنے کی بجائے غیروں کے اشاروں کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ ترقی و فلاح کی بجائے ملک کا ہر شعبہ "ترقی معکوس" کا عکاس نظر آتا ہے۔ پاکستان کے قیام کو پچاس سال کا عرصہ بیت چکا ہے مگر بحیثیت قوم ہم ابھی تک اپنی منزل کا تعین بھی نہیں کر سکے' اس کی جانب پیش قدمی تو بڑی دور کی بات ہے۔ زندہ اور خود مختار قوموں میں ہمارا کوئی مقام اور مرتبہ نہیں جب کہ پسماندہ اقوام میں ہمیں "بڑا نام" اور "اونچا مقام" حاصل ہے۔ آدھا ملک گنوا کر بھی اپنے انفرادی اور اجتماعی کردار کو درست کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ دینی زعماء ہوں یا سیاسی پنڈت سب کے سب قوم کی لٹیا ڈبونے میں یکساں طور پر شریک ہیں۔ اسلامی تصورات پر مبنی نظام عدل اجتماعی کو قائم کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف بن چکا ہے۔ قوم کی عظیم اکثریت بے بسی اور لاچارگی و افلاس کے ہاتھوں پریشان حال ہے جب کہ حکمران اور "بڑے لوگ" نیرو کی بانسری بجانے میں مصروف ہیں۔ تخت حکومت پر براجمان ملکہ عالیہ کو غیر ملکی سیروسیاحت کے شوق سے فرصت نہیں ملتی جب کہ اپوزیشن کے قائد' عوام کو حکومت مخالف تحریک کی "کال" کا انتظار کرنے کا مژدہ جانفزا سناتے رہتے ہیں۔ رہے مذہبی رہنما اور دینی سیاسی جماعتوں کے زعماء تو وہ اپنی شناخت اور بقا اور سیاسی میدان میں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی "ناکام" اور "نیم دلانہ" کوششوں اور کاوشوں میں مصروف ہیں۔ ان حالات میں انقلابی تصورات پر مبنی جدوجہد ہی ہمارے ملکی و ملی

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

پاکستانی صنعت و تجارت پر حملہ

منظور احمد

گزشتہ دس سالوں میں روپے کی قیمت میں ڈالر کے مقابلے میں ۲۸۴ فیصد کمی آ چکی ہے۔ برطانوی پاؤنڈ کے مقابلے میں روپے کی قیمت میں کمی بھی ۳۰۰ فیصد سے زیادہ ہے۔ جولائی ۱۹۹۳ء میں عبوری وزیر اعظم معین قریشی کی آمد سے اب تک' روپے کی قیمت میں کمی کے باعث' بیرونی قرضوں کی ادائیگی کے لئے قوم کو ملکی رسائل سے مزید ۱۴۴ ارب نکالنے پڑیں گے۔

روپے کی قیمت میں کمی کا اثر لامحالہ ان اشیاء پر پڑتا ہے جو ہم باہر کے ممالک سے درآمد کرتے ہیں۔ بناسپتی گھی کے لئے پام آئل اور سویا آئل باہر ہی سے آتا ہے۔ موٹر سائیکل' کاریں' مشینری' ہوائی' بحری جہاز اور سب سے بڑھ کر' نقل و حمل کے لئے تیل درآمد کرنے کے لئے ہمیں زرمبادلہ چاہئے جو ہم اپنی چیزیں باہر کے ملکوں کو بیچ کر یعنی برآمد کرکے ہی حاصل کرتے ہیں۔

حکومتی دباؤ

پاکستان میں مینوفیکچرنگ کی خواہش رکھنے والے کو طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ درجنوں محکموں کے اجازت نامے' ہر قدم پر ایک دیوار کا کام دیتے ہیں۔ ٹیکسوں کا کوئی مربوط نظام نہیں ہے۔ ایکسائز ڈیوٹی' امپورٹ ڈیوٹی' ضلع ٹیکس' ویلتھ ٹیکس' کمپنی ٹیکس۔ تو بڑے بڑے ٹیکس ہیں جو علیحدہ علیحدہ محکموں کے ذریعہ وصول کئے جاتے ہیں اس کے علاوہ مختلف سرچارج بلواسطہ وصول کئے جاتے ہیں۔ ان محکموں کے اہل کار رشوت حاصل کرنے کے لئے نت نئی پیچیدگیاں پیدا کرتے رہتے ہیں اور یوں صنعت لگانا ایک بہت بڑا درد سر ہے۔ ان بے بہا ٹیکسوں کا بوجھ بالآخر خریدار پر ہی پڑتا ہے چاہے وہ مقامی ہو یا ملک سے باہر۔ صنعتکار مزید جھمیلوں سے بچنے کے لئے اپنے قریب ترین گاہک کو ڈھونڈتا ہے جو مقامی ہی ہوتا ہے۔ معیار کی جگہ کم قیمت کا مقابلہ ہونے لگتا ہے۔ برآمد کرکے زرمبادلہ کمانے کا شوق پیدا ہی نہیں ہوتا۔

مہنگے قرضے

کسی بھی صنعت کے لئے یہ قریباً ناممکن ہے کہ بنک کے تعاون کے بغیر اپنا کام چلا سکے۔ ترقی یافتہ دنیا میں بنک اور انڈسٹری کا آپس کا تعاون دونوں کے لئے نفع کا باعث بنتا ہے۔ بنک اپنے گاہکوں پر نظر رکھتے ہیں اور مناسب وقت پر ان کی مدد کرتے ہیں تاکہ ان کے کاروبار کو پھیلنے میں مدد ملے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر بنک کا گاہک کامیاب ہے تو بنک بھی تو اسے دیئے ہوئے قرضہ پر نفع کماتا ہے۔

پاکستان میں اول تو عام آدمی بنک سے کاروبار کے لئے قرضے کی سہولت حاصل کرنے میں کامیاب ہی نہیں ہوتا کیونکہ بڑے بڑے قرضے سیاسی مصلحتوں کے تحت چند لوگوں کو دیئے جانے کی وجہ سے بنکوں کے پاس فاضل فنڈ ہوتے ہی نہیں جس سے انڈسٹری کو مدد مل سکے۔ خود حکومت بھی بنکوں کی بہت بڑی مقروض ہے۔ مثلاً رواں مالی سال کے پہلے پانچ ماہ کے اندر اندر حکومت نے ۵۷ ارب روپے سے زیادہ رقم بنکوں سے خود قرض لے لی ہے۔ جو اصولاً انڈسٹری کے کام آنا چاہئے تھی۔ دوم' پاکستان میں بنکوں سے قرضہ پر شرح سود شاید دنیا میں کسی بھی ملک سے بڑھ کر ہے۔ یورپ بھر میں اس وقت قرضہ پر ۵ سے ۷ فیصد سود لیا جاتا ہے جبکہ پاکستان میں یہی ۲۰ سے ۲۲ فیصد یا اس سے بھی زیادہ ہے۔

فارن ایکسچینج بیرر سرٹیفکیٹ کے اجراء کا خمیازہ

بنکوں سے قرضوں پر شرح سود کی بنیاد حکومت ہی رکھتی ہے۔ اس کے لئے سود کی بجائے نام چاہے کوئی بھی استعمال کیا جائے۔ اسی کی دہائی میں جب افغانستان کی جنگ کا خاتمہ قریب تھا اور غالب امکان تھا کہ دونوں ملکوں کے خوشگوار تعلقات کی وجہ سے تجارت میں مزید اضافہ ہوگا خصوصاً افغانستان سے پرے وسط ایشیائی اسلامی ریاستوں سے پاکستانی صنعت کو طاقت کا ضروری ٹیکہ لگ جائے گا۔ مگر ہماری ہی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے کہ ہم بین الاقوامی سازشوں میں پھنس کر اس نصب العین سے دور ہٹتے جارہے ہیں۔

ایک مستحکم پاکستان یقیناً ان ملکوں کی رہبری کرکے مسلمانوں کی صف بندی میں کلیدی کردار ادا کرکے امت مسلمہ کو بدیشی استعمار سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آزاد کرسکتا ہے۔ ہمارے دشمن بھی اس سے بے خبر نہیں ہیں۔ اسی لئے انہوں نے اپنے کارندوں کی مدد سے اس ملک میں انتہائی مہنگے قرضوں کی داغ بیل ڈالی۔ ۱۹۸۶ء میں فارن ایکسچینج بیرر سرٹیفکیٹ کا اجراء ۱۴ سے ۱۷ فیصد پر کیا گیا اور نفع بھی زرمبادلہ کی صورت میں دینا قرار پایا۔

بین الاقوامی کرنسی میں حکومت کے گارنٹی شدہ بانڈز پر اتنا منافع دینا کے لئے ایک معیار مقرر کردیا گیا جس کو بنیاد بناکر دوسرے قرضوں کا اجراء ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل واپڈا بانڈز جاری ہوئے جن پر ۱۹ فیصد منافع دیا جاتا ہے۔ ایسے میں صنعتکار پہلے بنک کے لئے ۲۰ - ۲۲ فیصد کمائے گا۔ پھر رشوت اور ٹیکس آتے ہیں اس کے بعد خریدار تک پہنچانے سے پہلے اس کے اپنے منافع کی باری آتی ہے۔ ان حالات میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جنہیں سرکار سے برتنے کے سبھی گر آتے ہوں۔

بنکوں سے قرض کی شرح میں کمی اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک فارن ایکسچینج بیرر سرٹیفکیٹ FEBC اور ایسے ہی دوسرے سرکاری بانڈ حکومت واپس خرید کر اس لعنت کو ختم نہیں کردیتی۔ اس مقصد کے لئے کثیر زرمبادلہ چاہئے۔

زیادہ شرح سود پر کاروباری قرضے کی بنیاد دشمن نے پہلی منصوبہ بندی میں ہی رکھ دی تھی۔ تاکہ ہم ایک لمبے عرصے تک افراط زر کا شکار ہوکر بین الاقوامی تجارت میں مقابلہ کے قابل نہ رہیں۔ بدقسمتی کی انتہا یہ ہے کہ دشمن کے جن حواریوں نے ہمیں اس دلدل میں پھنسایا وہی ہمارے منظور نظر ہیں۔ اب بھی وہ کبھی ورلڈ بنک اور کبھی آئی ایم ایف کا لبادہ پہنے مشوروں سے ہمیں نوازنے چلے آتے ہیں۔

افراط زر--- مہنگائی اور بیروزگاری کا نسخہ

روپے کی قیمت میں کمی کرنے کے لئے جواز یہ دیا

گیا ہے کہ اس سے ہماری برآمدات یعنی ایکسپورٹ بڑھیں گی۔ اسلام آباد میں بیٹھ کر ہمارے منصوبہ ساز یہ بھول جاتے ہیں کہ حکومت نے مقامی صنعت کو تو جکڑ کر رکھ دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ملک بھر میں کارخانے بند ہو رہے ہیں اور اس وقت ۳,۵۰۰ سے زیادہ ملیں بند ہیں۔ صنعتکار نالاں ہیں۔ کوئی دن جاتا ہے جب بنک لمبے عرصے کے لئے دیئے قرضوں کی فوری ادائیگی کا مطالبہ نہیں کرتے۔ پھر ٹیکس حکام کو بلاوجہ گرفتاری تک کے اختیارات دے کر رشوت کا ریٹ بڑھا دیا گیا ہے۔ خام مال کی قلت اور قیمتوں میں مصنوعی اضافہ کر کے صنعتکار کی دسترس سے باہر کیا جاتا ہے۔ بجلی کی قیمت میں اضافہ ہر سہ ماہی ہو رہا ہے۔ افراط زر کی وجہ سے کاریگر تنخواہیں زیادہ مانگتے ہیں۔

جہاں تک بیرونی خریدار کا تعلق ہے وہ بھی ایسے بھولے نہیں ہیں۔ جیسے ہی روپے کی قیمت کم ہوتی ہے۔ وہ فوراً ہی چیزوں کی قیمت میں کمی کا مطالبہ داغ دیتے ہیں۔ یوں پہلے جتنے ڈالر کمانے کے لئے کہیں اور زیادہ پیداوار غیر ملکیوں کی جھولی میں ڈل جاتی ہے۔ ایسے میں چیزیں بنا کر غیر ملکی درآمدات کے ساتھ مقابلہ تو دور کی بات ہے' مل چلاتے رہنا ہی ناممکن ہو گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روپے کی قیمت میں کمی بھی بیرونی سرمایہ کاروں کے لئے ملکی اثاثوں میں مزید کشش پیدا کرنے کے لئے کی گئی ہے ملک کو کتنا زیادہ نقصان ہوتا ہے کسی کی بلا سے۔

درآمد کی کھلی چھٹی

کسی بھی ملکی کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی اس کے مقامی باشندے ہی ہوتے ہیں۔ جو ایک طرف صنعتوں میں کام کر کے مصنوعات بناتے ہیں تو دوسری طرف ان مصنوعات کے خریدار بھی ہوتے ہیں۔ اگر ملکی مصنوعات کے مقابلے پر غیر ملکی مصنوعات سستے داموں ملنے لگیں تو سب سے پہلے مقامی صنعت دم توڑتی ہے۔ حکومت نے یوراگوائے میں ہونے والی کانفرنس کے نتیجہ میں جنرل ایگریمنٹ فار ٹریڈ اینڈ ٹیرف (GATT) پر دستخط کر کے بیرونی مصنوعات کے لئے اپنی منڈی کھول دی ہے اور درآمد ہونے والی اشیاء پر ۱۶۵ سے کم کر کے صرف ۶۵ فیصد ڈیوٹی رہنے دی ہے جسے کم کر کے ۳۵ فیصد تک لایا جائے گا۔ ہم اوسطاً سالانہ ۲ ارب ڈالر کا خسارہ اٹھاتے ہیں یعنی ہماری درآمدات برآمدات سے کہیں زیادہ ہیں درآمدات کی راہ سے جب پابندیاں کم ہونے لگیں گی تو لامحالہ اس خسارے میں مزید اضافہ ہو گا جس کا یہ ملک متحمل نہیں ہو سکتا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مقامی صنعت پر سے ہر طرح کی پابندیاں ہٹا کر اسے دنیا کی مارکیٹ میں مقابلہ کے قابل بنانے کے لئے ہر طرح کی مدد دی جاتی۔ مگر حکومت کے سبھی اقدام اس کے برعکس ہیں۔

غیروں پہ کرم اپنوں پہ ستم

حکومت کی طرف سے ہندوستان کو موسٹ فیورڈ نیشن (MFN) کا درجہ دیا جا رہا ہے اور یوں اسے کھلی چھٹی دی جا رہی ہے کہ وہ ہماری مارکیٹ پر قابض ہو جائے۔ یہ کوئی جذباتی مسئلہ نہیں ہے۔ ہندوستان کی معیشت کم تنخواہ کی بنیاد پر چل رہی ہے۔ ہمارے کاریگر کے مقابلے میں وہاں کے کاریگر کی مزدوری ۴۰ فیصد سے بھی کم ہے وہاں حکومت صنعت کو سہولتیں دیتی ہے۔ اور درآمدات کو روک کر مقامی صنعت کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ ایسے حالات میں ہندوستان کے لئے پاکستان میں اپنی مصنوعات یہاں کی پیداوار کے مقابلے میں کم قیمت پر فروخت کرنا نہایت آسان ہے۔ اگر ہم نے اس مرحلہ پر اس اقدام کو نہیں روکا تو بہت جلد ہماری صنعت میں مزید بحران آئے گا اور بیروزگاری میں اضافہ ناگزیر ہو گا در آمدات میں اضافہ کے باعث تجارتی عدم توازن مزید بڑھ کر

نیک نام مسلمان حکمران!

حسنی مبارک اور لیامین زیرول (Liamine Zeroual) کی طرح یاسر عرفات کا بھی ۲۰/ جنوری کو ہونے والے انتخابات میں فلسطین اتھارٹی کا صدر منتخب ہو جانا کوئی انوکھی بات نہیں ہو گی۔ سرکاری طور پر صدارتی امیدوار کے لئے ان کی نامزدگی پہلے ہی عمل میں آ چکی ہے۔ سنٹرل الیکشن کمیٹی کے چیئرمین اور مقامی حکومت کے وزیر' صائب عریقت (Saib Urayqat) کے اعلان کے مطابق انہیں چیئرمین یاسر عرفات کی درخواست مع ۳ ہزار ڈالر چیک اور وزارت داخلہ اور الفتح موومنٹ کی طرف سے جاری کردہ رضامندی کے سرٹیفکیٹوں کے موصول ہو گئی ہے۔ اگرچہ حالیہ دہشت گردی کے نتیجے میں جس میں رابن قتل ہو گئے عرفات کو اضحاک رابن (Yitzhak Rabin) کی پر زور سیاسی حمایت سے محروم ہونا پڑا ہے لیکن الیکشن میں کامیابی حاصل کرنا بہرحال ان کے لئے ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اضحاک رابن' عرفات کو ایک منفرد غیر یہودی کا درجہ دینے پر ہی آمادہ نہیں تھے انہیں یہاں تک گمان ہونے لگا تھا کہ کہیں عرفات اندر سے یہودی تو نہیں جو اپنے انداز سے صیہونی عزائم کی تکمیل میں لگا ہوا ہے۔ حال ہی میں شام کے وزیر دفاع' جنرل مصطفیٰ طلاس کا روزنامہ "البعث" میں ایک بیان شائع ہوا ہے' جس میں پی۔ ایل۔ او' اسرائیل سمجھوتے کے بعد عرفات کے بارے میں اضحاک رابن کے یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں کہ "یاسر صاحب آپ تو مجھے یہودی لگتے ہیں"۔ طلاس نے شام کی فوج میں ایک فلسطینی افسر کیپٹن یوسف اعرابی کا بھی ذکر کیا ہے جو اکثر کہا کرتا تھا کہ میں یاسر عرفات کے یہودی ہونے پر قسم کھانے کو تیار ہوں۔ شام کے وزیر دفاع نے دعویٰ کیا ہے کہ کیپٹن اعرابی کو عرفات نے قتل کر دیا تھا۔

روپے پیسے کا مسئلہ ہو تو شاہ فہد کو آواز دیں۔ برونائی کے سلطان کو انگلش چائے کی دعوت دیں۔ یہ کام اخبارات بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ تین برطانوی تاج' یعنی جارج اول کا شاہی تاج' جارج چہارم کا تاجپوشی کا تاج اور ولیم چہارم کی ملکہ ایڈیلیڈ (Adelaide) کا اپنے خاوند کی تاجپوشی کے موقع پر پہنا ہوا تاج ایک امریکی کے ہاتھ لگ رہے تھے۔ ایک سرکاری اخبار نے اس پر دکھ کا اظہار کیا اور ایک بائبل بھی جو جارج سوئم کو تاجپوشی کے موقع پر ملی تھی برونائی کے سلطان کے چھوٹے بھائی شہزادہ جیفری بولکیاہ (Jefry Bolkiah) نے خرید کر تخت برطانیہ کو تحفہ میں دے دیئے ہیں۔ اس کی انہیں پونے دو ملین پونڈ قیمت ادا کرنا پڑی۔ دی ٹائمز نے بڑے فخریہ انداز میں اپنے اداریئے میں لکھا کہ ایک پرانا تجارتی ملک ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ دنیا بھر سے تاجر آ کر یہاں اپنی دولت صرف کرتے ہیں۔ برونائی کے شہزادے نے شاہی تاج بچا کر نیک نامی کمائی۔ OO

(امپیکٹ انٹرنیشنل)

ہمیں مقروض کر دے گا۔ حکومت کے ساتھ ساتھ ہمارے تاجر بھی وقتی منافع کو بھول کر ذرا قوم کا خیال کریں۔

نجکاری--- خودمختاری سے دستبرداری

ساری دنیا میں بڑے بڑے منصوبوں کی تکمیل حکومتیں ہی کر سکی ہیں۔ صنعتکار نسبتاً چھوٹے چھوٹے منصوبوں کو لے کر چلتے ہیں۔ اسی لئے ذرائع مواصلات' ریل' جہاز' بندر گاہیں' ڈاک' ٹیلیفون' تیل' گیس کا نکالنا' بڑی بڑی صنعتوں کا قیام' ذرائع آبپاشی' صحت' تعلیم' قومی خزانہ' دفاع وغیرہ حکومت ہی کی ملکیت میں ہوتی ہیں کیونکہ حکومت کا کام ٹیکسوں سے شاہ خرچیاں نہیں عوام ی بھلائی اور ملکی معاشی اور جغرافیائی دفاع ہوتا ہے۔ حکومت کے مد نظر نفع نہیں ہوتا بلکہ روزگار کے مواقع فراہم کرنا اور عوام کی فلاح و بہبود ہوتی ہے۔ اس کے برعکس کاروباری حضرات کا مطمع نظر زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اگر یہی ذرائع حکومت کی بجائے تجارت پیشہ لوگوں کے ہاتھ چلے جائیں تو منافع کی دوڑ میں قیمتیں بڑھتی چلی جاتی ہیں اور خریدار کی قوت کو آخری حدوں تک آزمایا جاتا ہے۔ ہم نے اس کا عملی مظاہرہ سیمنٹ کی فیکٹریوں کو نجی تحویل میں دیئے جانے پر دیکھ لیا ہے نجکاری سے قبل سیمنٹ کی بوری کی قیمت ۱۰۵ روپے تھی جو یکایک بڑھ کر ۱۶۵ روپے سے بھی زیادہ ہو گئی۔ یہ کوئی قابل ستائش بات تو نہیں تھی۔ اس لوٹ میں ہمارے ہی پاکستانی بھائی تھے۔ اب اگر مقامی لوگوں کی بجائے اثاثے غیر ملکیوں کے پاس بیچ دیئے جائیں اور انہیں منافع زرمبادلہ کی صورت میں بیرون ملک کے جانے کی کھلی چھٹی بھی ہو تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ملک کی معیشت کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ ہم ہر چیز کی قیمت زرمبادلہ میں ادا کریں گے۔ بکنے والے اثاثوں میں اگر بنک' بجلی' گیس کے ذرائع' ٹیلیفون' ذرائع آبپاشی جیسے اہم قومی اثاثے شامل ہوں تو معاشی غلامی کا طوق اپنے اپنے گلے میں ہم خود ڈالیں گے۔

نجکاری کا مشورہ بھی ہمیں غیروں ہی سے ملا ہے۔ آئی۔ ایم۔ ایف اور ورلڈ بنک چند امیر ملکوں کے آلہ کار ہیں اور ان ہی کے مفادات کے تحفظ کے سلسلے میں چھوٹے ملکوں کو نت نئے تجربات میں مصروف کر کے حقیقی ترقی سے دور رکھتے ہیں۔ موجودہ حکومت کے پہلے دور میں نجکاری کے لئے رپورٹ دنیا کے مشہور مرچنٹ بنک این۔ ایم روتھ چائلڈ سے تیار کرائی گئی۔ جس کا شمار مسلمانوں کے قبلہ اول پر قابض اور مشترکہ دشمن ملک اسرائیل کے معماروں میں ہوتا ہے۔ وہ ہمارے خیر خواہ کب ہو سکتے ہیں؟ ان کے دیئے ہوئے مشورے ہماری بہتری میں کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ یہی لوگ تو ہیں جو ہمارے اثاثے کوڑیوں میں خرید کر ہمیں دائمی غلامی میں لے جانا چاہتے ہیں۔

قوم کو یہی بتایا جا رہا ہے کہ نجکاری قرضوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے کی جا رہی ہے۔ قومی اثاثے بیچ کر تو یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ بالفرض اس طریقہ سے ہم سارے قرضے ادا بھی کر دیں تو نئے خریدار جب اپنا نفع زرمبادلہ کی صورت میں باہر لے جائیں گے تو بیرونی قرضوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ تب اثاثے بھی ختم ہو چکیں گے۔ پھر گزارہ کیسے ہو گا؟

اگر پاکستان میں بیرون ملکی سرمایہ کاروں کو دلچسپی ہے تو آئیں اپنے سرمایے سے ایسی صنعتیں لگائیں جس سے ہماری برآمدات میں اضافہ ہو' بے روزگاری کم ہو اور ملکی خزانے کے لئے بیش قیمت زرمبادلہ حاصل ہو' تاکہ ہم اپنے قرض چکا سکیں۔ ہمارے خون پسینے سے لگائی ہوئی صنعتیں جن کا پھل ہمیں اب جا کر ملنے لگا تھا ہتھیا کر قوم کو ہمیشہ غربت میں دھکیل رکھنے کی کوشش میں شامل کوئی بھی فرد اس ملک کا دوست نہیں ہو سکتا۔ نجکاری کی وکالت کرنے والوں کو ٹرانسپورٹ کی حالیہ ہڑتال ہی سے سبق لینا چاہئے۔ جب چند ٹرانسپورٹروں نے مل کر ملک کے بیشتر حصے کو ساکن کر کے رکھ دیا۔ اگر حکومت کے پاس ٹرانسپورٹ کا متبادل انتظام ہوتا تو عوام کو اس طرح بلیک میل نہ کیا جاتا۔ یہی اور دوسرے اہم ذرائع اگر غیر ملکیوں کے ہاتھ لگ جائیں تو وہ جو چاہیں ہم سے سلوک کریں۔

ہمارے منصوبہ ساز ویسے بھی شاید یہ نہیں جانتے کہ موجودہ دور میں ملکوں پر قبضہ ان ہی دروازوں سے آ کر کیا جاتا ہے۔ یہ کیسی بدقسمتی ہے کہ جن دروازوں پر قوم نے انہیں پہرے دار بنا کر بٹھایا تھا ان ہی دروازوں سے یہ چوروں' ڈاکوؤں کا استقبال کر کے قوم پر مسلط کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ قوم کی موت ان کی حیات نہیں بن سکتی۔ پھر چند روزہ زندگی کے چند ڈالروں کے لئے' ملک میں عزت کے مقام کی بجائے کسی دوسرے ملک میں گمنامی کے لئے ۱۳ کروڑ افراد پر مشتمل زیادہ تر نابلد' ناسمجھ لوگوں کی زندگیوں' ان کے مستقبل سے کھیلنے والے ہمارے رہنما شاہ ایران کی زندگی سے ہی سبق لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری منصوبہ بندی ہی غلط ہے اور

شاخ نازک یہ جو آشیاں ہو گا ناپائیدار ہو گا

بیرونی سرمایہ کاروں کے ہاتھوں ملکی اثاثوں کی فروخت غلامی ہی کا دوسرا نام ہے۔ ان سے کسی خیر کی امید عبث ہے۔ ملکی مفاد میں منصوبہ بندی کی بنیاد خود انحصاری کے لئے عملی اقدام ہی ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی تمام تر صلاحیتیں اس طرف مرکوز کرنی چاہیں۔

کپاس' ٹیکسٹائل اور غیر ملکی سازشیں

کپاس ہماری سب سے قیمتی فصل ہے جس سے ہم سالانہ دو ڈھائی ارب ڈالر کماتے ہیں ہر سال فصل کے آنے سے پہلے ہی ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی پیداوار کے تخمینے اس طرح سے دیئے جاتے ہیں کہ مارکیٹ میں احساس پیدا ہو کہ فصل ضرورت سے کہیں زیادہ اچھی ہوئی ہے یہ کام وزیر صاحبان ہی کرتے ہیں۔ بیرونی خریدار فصل کا بیشتر حصہ پہلے ہی خرید لیتے ہیں۔ نتیجہ ملکی ٹیکسٹائل صنعت کی ضرورت کے لئے کپاس مہیا نہیں ہوتی۔ جس کی وجہ سے ہم بمشکل اندورن ملک ضروریات پوری کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ برآمدات آٹے میں نمک کے برابر رہ جاتی ہیں۔ گزشتہ برس کپاس پر کرل لیف وائرس CLV کی بیماری کے بارے میں عموماً یہی خیال کیا جاتا ہے کہ بیرونی سازش سے سپرے اور کھاد میں ملاوٹ کر کے فصل کو تباہ کیا گیا۔

اگر کپاس کی بیرون ملک فروخت پر پابندی لگا کر تیار مال یعنی کپڑے اور سلے ہوئے ملبوسات کی برآمد پر زور دیا جائے تو بہت قلیل عرصے میں نہ صرف ہم تجارت میں خسارے کو ختم کر دیں گے بلکہ بیرونی قرضوں کی ادائیگی کر کے ہر سال زرمبادلہ جمع کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

یہ کیا سازش سے کم ہے کہ کپاس کی برآمد کے باعث ۷۷ ٹیکسٹائل ملیں ایسی حالت میں ہیں کہ خام مال کی کمی کے باعث بحران کا شکار ہونے کی وجہ سے بنکوں کے قرضوں کی بروقت ادائیگی سے قاصر ہیں۔ خبر ہے کہ ایک پاکستانی بنک کی آڑ لے کر دو غیر ملکی بنک انہیں امریکی سرمایہ کاروں کے ہاتھوں بیچنے کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ آخر یہ کیوں ہے؟ درحقیقت کپاس کی فصل آنے سے قبل خریداری بھی غیر ملکی ہی کر رہے ہیں جو مصنوعی بحران پیدا کر کے ملکی ٹیکسٹائیل انڈسٹری پر قبضہ کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اگر یہ منافع بخش کاروبار نہیں تو پھر بیرونی سرمایہ کاروں کو تو اس سے کوسوں دور رہنا چاہئے۔ وہ ہماری "ناکام" ملوں میں کس لئے اس قدر دلچسپی لے رہے

ہیں؟ ان کے پاس جادو کا کون سا چراغ ہے؟ حکمران اپنی شاہ خرچیاں چھوڑ کر ایم - این - اے 'ایم - پی - اے کے کوٹے' 'پیپلز پروگرام' وزارتوں پر اٹھنے والے اربوں کا رخ ملکی معیشت کی طرف موڑ دیں تو اس قوم کی آئندہ نسلیں بھی ان کو دعائیں دیں گی۔

بین الاقوامی لین دین

امریکہ کی معیشت کا ایک بڑا سہارہ امریکی ڈالر کا بین الاقوامی لین دین میں بکثرت استعمال بھی ہے۔ بڑھتے ہوئے امریکی خسارہ کی وجہ سے ملکوں کا اعتماد اس کرنسی سے جلد اٹھنے والا ہے۔ گزشتہ دنوں جاپان کے ساتھ کاروں کے تنازعہ کے باعث امریکی ڈالر کی قیمت جاپانی ین کے مقابلے میں دو ماہ کے اندر قریباً ۲۰ فیصد گر گئی۔ ایسے ہی کوئی شوشہ جنم لینے والا ہے۔ جب ملکوں کا اعتماد ڈالر پر سے اٹھ جائے گا۔ لوگ بنکوں سے ڈالر لینے جائیں گے وہاں ڈالر نہیں ہوں گے۔ جاپان کو اپنے سرمایے کے ڈوب جانے کا ڈر نہ ہو تو امریکہ کا دیوالیہ نکال سکتا ہے۔

دسمبر ۱۹۹۵ء جنوری ۱۹۹۶ء میں محض پیسے کی کمی ہی کی وجہ سے امریکی صدر اور سینیٹ کے درمیان اختلاف کی وجہ سے امریکہ کے اندر اور بیرون ملک سفارت خانوں میں لاکھوں امریکی ملازموں کو تنخواہیں نہیں ملیں۔ امریکی امداد کے دفتر تین چار سال قبل ہی سے بند ہو چکے ہیں۔ بہت جلد ایک دن ایسا آنے والا ہے جب امریکی بحری بیڑوں پر فوجیوں کی تنخواہیں ان کے بنک اکاؤنٹ میں جمع نہیں ہو سکیں گی۔ اور یہی لوگ اپنی حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے یا تو قریبی بندرگاہوں پر لوٹ مار کریں گے یا غالب امکان ہے کہ بحری بیڑوں پر لدا ہوا جنگی سامان سستے داموں بیچ کر وہ اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

تیری دوستی سے بہتر

امریکہ کے آنجہانی سابق صدر اور مفکر رچرڈ نکسن کی کتاب RICHARD NIXON IN THE ARENA سے یہ اقتباس ہمارے قائدین کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ "میرے بیرون ملک سفر کا افسردہ ترین وقت وہ تھا جب جولائی ۱۹۸۰ میں شاہ ایران کو (مصر کے شہر) قاہرہ میں دفنایا جا رہا تھا۔ اس لیڈر اور ہمارے مخلص اور پکے دوست کے جنازے میں شرکت کے لئے واشنگٹن سے امریکہ کی نمائندگی کے لئے کوئی ایک آدمی بھی وہاں نہیں بھیجا گیا۔ مجھے اس وقت پاکستان کے صدر ایوب خان کے وہ بھیانک الفاظ یاد آ رہے تھے جو انہوں نے ۱۹۶۴ء میں جنوبی ویت نام کے صدر ڈائم کی ہلاکت پر امریکہ کے ملوث ہونے کے بارے میں کہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ "امریکہ کا دوست ہونا خطرناک ہے۔ فائدہ غیر جانبدار رہنے میں ہے اور بسا اوقات تو اس کی دشمنی میں بھی بہتری ہوتی ہے"۔ یہی باتیں میرے ذہن میں اس وقت بھی آئیں جب مجھے امریکہ کے ایک اور اچھے دوست' پاکستان کے صدر ضیاء الحق کی ہوائی جہاز کے حادثے میں پراسرار موت کی خبر ملی جو بظاہر تخریب کاری کا نشانہ بنا"۔ امریکہ کے پاکستانی دوست کسی غلط فہمی میں نہ رہیں۔

فلسطین سے سبق لیں

فلسطین سے سبھی لوگ جبری نہیں نکالے گئے تھے۔ بہتوں سے زمینیں قرضوں کی عدم ادائیگی کی وجہ سے چھن گئی تھیں۔ یہ قرضے انہوں نے یہودی بنکاروں سے لے رکھے تھے۔ پھر ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ ان سے قرضوں کی ادائیگی ممکن نہ رہی اور قرضہ دینے والوں نے قرض کی شرائط کے مطابق زمینوں پر قبضہ کر لیا اسی لئے تو عرب ممالک میں اب کسی غیر ملکی جائیداد خریدنے کی اجازت نہیں ہے --- ہم اپنی زمینیں اور اثاثے کیوں بیچ رہے ہیں؟

پاکستان اور امریکہ

اگر ہمارے ملک میں امریکی اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے۔ تو وہ محض اپنے ہی لوگوں کی وجہ سے ہے۔ ہمارا کل مجموعی بیرونی قرضہ صرف ۲۴ ارب ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ امریکہ دو مہینے میں اتنا مقروض ہو جاتا ہے۔ اس لئے ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کو اس کی فکر کرنی چاہئے نہ کہ ہماری۔

☆ ☆ ☆

بقیہ : پریس ریلیز

ہے کہ وفاقی کابینہ کے اس فیصلے کو کہ "پاکستان میں آئندہ مخلوط طرز انتخاب رائج ہوگا" کو فوری طور پر واپس لے۔ کیونکہ مخلوط طرز انتخاب پاکستان کے جواز ہی کو متنازع بنا دیتا ہے اور نظریہ پاکستان پر کاری ضرب لگاتا ہے۔

امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد عرصہ ہوا یہ تجویز پیش کر چکے ہیں کہ اقلیتوں کی الگ اسمبلی بھی وجود میں آ جائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں جس کے ذریعے وہ اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھاتے رہیں لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قانون ساز اسمبلی صرف مسلمانوں پر مشتمل ہونی چاہئے جو شریعت محمدؐ کے دائرے کے اندر قانون سازی کرے تاکہ پاکستان صحیح معنوں میں ایک آزاد اسلامی ریاست کی حیثیت اختیار کر سکے۔ OO

بقیہ : تلاش منزل

مسائل کا پائیدار حل ہے۔ تنظیم اسلامی سیاسی دنگل سے الگ رہتے ہوئے مروجہ باطل و استحصالی نظام کو سرے سے ختم کر کے خلافت راشدہ کے تصورات پر مبنی عادلانہ نظام کے قیام کی خواہاں ہے۔ اس کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد گزشتہ ربع صدی سے دین کی انقلابی تعلیمات اور حقیقی تصورات کو خاص و عام تک پہنچانے میں لگے ہوئے ہیں۔ جب تک باشعور طبقات کے سنجیدہ حضرات اسلام کے انقلابی فکر کی جانب متوجہ نہیں ہوں گے بات آگے نہیں بڑھے گی' ملک فلاح و ترقی سے ہمکنار نہیں ہوگا' نظریہ پاکستان تکمیل نہیں ہوگی۔ دو قومی نظریے کو عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ فلاحی ریاست وجود میں نہیں آ سکتی' مضبوط پاکستان سامنے نہیں آ سکتا غرض اس وقت تک امت مسلمہ کا کاروان کا ایک درماندہ مسافر ہی بنا رہے گا۔ OO

قرآن کالج لاہور کے

تدریسی نظام میں تبدیلیاں

☆ قرآن کالج کے نصاب سے بی اے تربیتی سال کو ختم کر دیا گیا ہے اور فیصلہ کیا گیا ہے کہ انٹر کے نتیجے کا انتظار کئے بغیر یکم جولائی سے بی اے سال اول میں داخلے کے امیدواروں کی تدریس کا آغاز کر کے انہیں عربی' تجوید اور منتخب نصاب وغیرہ کی تعلیم دی جائے اور تین ماہ بعد قرآن کالج سے انٹر پاس کرنے والے طلبہ کی بی اے سال اول میں انہیں شامل کر دیا جائے گا۔

☆ رجوع الی القرآن کورس کی تدریس کا آغاز بھی یکم جولائی سے کیا جائے گا۔ اس طرح یہ کورس گیارہ ماہ میں مکمل ہو جایا کرے گا۔

☆ جولائی ۱۹۹۶ء میں شروع ہونے والے رجوع الی القرآن کورس میں خواتین کو داخلہ نہیں دیا جائے گا۔

المعلن : پرنسپل قرآن کالج لاہور

رشوت کے بغیر یہاں کوئی شنوائی نہیں

بے روزگاری سمیت ہمارے تمام مسائل باطل نظام کی پیداوار ہیں

فرسٹریشن نے نوجوانوں کو منشیات اور جرائم کی راہ پر ڈال دیا ہے

نثار احمد ملک

باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر تعمیر نو کا آغاز کرنا ہو گا

ہر آنے والے دن وطن عزیز جن بے شمار مسائل سے دوچار ہوتا جا رہا ہے ان میں سب سے اہم بے روزگاری ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ملک کے سلگتے ہوئے مسائل میں سے ایک ہے۔ اگر میں اس بات کو یوں بیان کروں تو غلط نہ ہو گا کہ اس وقت ملک جن بہت سے مسائل میں گرفتار ہے ان میں سے بیشتر بے روزگاری ہی کی پیداوار ہیں۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ خود بے روزگاری کے اسباب و علل کیا ہیں اور ہم ان اسباب کے پیدا ہونے کا ذمہ دار کسے ٹھہرا سکتے ہیں۔

بے روزگاری کے اسباب و علل بے شمار ہیں لیکن ہم سمجھنے میں آسانی کے لئے انہیں دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ کچھ اسباب فوری نوعیت کے ہیں جبکہ حقیقی اسباب کچھ اور ہیں۔ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ کچھ اسباب سطحی نوعیت کے ہیں اور کچھ دوسرے انتہائی عمیق اور دقیق ہیں۔

ہم سب سے پہلے فوری یا سطحی قسم کے اسباب کے حوالے سے چند باتیں قارئین کے گوش گزار کریں گے۔ بے روزگاری کا ایک اہم فوری سبب ہمارا نظام تعلیم ہے۔ اس وقت ملک پر جو نظام تعلیم مسلط ہے وہ ثنویت اور دورنگی کا شکار ہے۔ اس طبقاتی نظام تعلیم سے دو طبقات وجود میں آتے ہیں جنہیں حاکم اور محکوم کہا جا سکتا ہے۔ ایک طرف ایسے تعلیمی ادارے اور تعلیمی سہولیات ہیں کہ جو ملک کے حکمران طبقے' خواہ وہ افسر شاہی ہو یا سیاستدان' کی اولاد کے لئے مخصوص ہیں جبکہ دوسری طرف انتہائی خستہ حال تعلیمی ماحول اور ادارے ہیں جو غریب طبقہ کا مقدر ہیں۔ ان ہر دو تعلیمی اداروں سے تربیت پا کر نکلنے والوں کی ذہنی و فکری سطح میں ہی تفاوت نہیں ہوتا بلکہ آگے چل کر ان دونوں کے ساتھ مختلف ملازمتوں کے حصول کے لئے بھی ترجیحی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ ملک میں تمام اہم پوسٹوں پر اول الذکر طبقہ مسلط ہو جاتا ہے جبکہ آخر الذکر کے لئے تیسرے اور چوتھے درجے کی ملازمتیں ہی رہ جاتی ہیں لہٰذا اس طبقے میں شدید احساس محرومی پروان چڑھتا ہے۔

بے روزگاری کی دوسری فوری وجہ یہ ہے کہ جن تعلیمی اداروں تک عام لوگوں کی رسائی ہے بھی' وہ بھی زیادہ تر آرٹس کی تعلیم فراہم کرتے ہیں۔ اعلیٰ فنی و حرفتی تعلیم ان اداروں میں نہیں دی جا رہی جبکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ صنعتی و سائنسی انقلاب کے بعد اصل اہمیت فنی و حرفتی تعلیم کو حاصل ہے۔ لہٰذا سوشل سائنسز میں اعلیٰ تعلیمی ڈگریوں کے باوجود روزگار کے دروازے بند ہی رہتے ہیں۔

اس فنی و حرفتی تعلیم کے نہ ہونے کی بھی کئی ایک وجوہات ہیں جن میں سے سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ ملک میں صنعتی ترقی کی طرف توجہ نہیں دی گئی ظاہر بات ہے کہ جب صنعتیں ہی نہیں ہوں گی تو صنعتی تعلیم کی ضرورت کیوں کر اجاگر ہو پائے گی۔ صنعتی ترقی کی طرف توجہ نہ ہونے کی بھی ایک خاص وجہ ہے۔ اس ملک پر اپنے جنم کے پہلے دن سے ہی جاگیرداروں کا قبضہ رہا ہے۔ لہٰذا صنعتی ترقی ظلم و استبداد پر مبنی نظام جاگیرداری کی موت پر مہر تصدیق ثبت کر سکتی تھی۔ جاگیرداری کی اس بے وقت اور خاموش موت کے خوف سے جاگیرداروں نے ملک کو صنعتی ترقی کی راہ پر گامزن ہی نہیں ہونے دیا۔ اس طرح جاگیردارانہ نظام اپنے پنجے مضبوط سے مضبوط تر کرتا گیا۔

یہاں یہ بات بطور جملہ معترضہ ہی عرض کی جا رہی ہے کہ اس وقت بھی ہماری اسمبلی میں دراصل دو طبقات کی جنگ ہے۔ ایک طبقہ سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کا ہے' جس کے نمائندے میاں نواز شریف ہیں جبکہ دوسرا طبقہ فیوڈلز کا ہے جس کی نمائندہ بے نظیر بھٹو ہیں۔ اگرچہ میاں صاحب کے ساتھ بھی کچھ جاگیردار ہیں جو ان کی پالیسوں کو غیر موثر بناتے رہے ہیں اور وہ ان سے مکمل طور پر چھٹکارا حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ بہرحال ان کی یہ خواہش ضرور ہے کہ ملک کو صنعتی طور پر ترقی دی جائے مگر بے نظیر بھٹو کی معاشی پالیساں اس کی جھلک سے یکسر خالی نظر آتی ہیں۔

بے روزگاری کی ایک اور فوری وجہ تعلیم کی کمی ہے۔ ہمارے پہلے نکتے کا تعلق تعلیمی نظام کی ثنویت سے تھا جبکہ جو نظام تعلیم ہم پر مسلط ہے اس کے تحت بھی تعلیم کی سہولتیں تمام شہریوں کو میسر نہیں ہیں۔ اس وقت ملک میں شرح خواندگی' حکومتی اعداد و شمار کے مطابق ۳۵ فی صد ہے جبکہ غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۷ سے ۱۵ فی صد۔ ظاہر ہے کہ جب ملک کی ۷۰ فی صد آبادی ان پڑھ ہو گی تو بے روزگاری کا عفریت تو خود بخود جنم لے گا۔

بے روزگاری کی ایک وجہ ملک میں پرائیویٹ سیکٹر کی حوصلہ افزائی نہ ہونا بھی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ماضی قریب تک قومیانے کی پالیسی پر بڑی شدت سے عمل ہوتا رہا ہے۔ ظاہر ہے پبلک سیکٹر میں ملازمتوں کی فراہمی ایک حد تک ہی ممکن ہوتی ہے جبکہ پرائیویٹ سیکٹر کے لئے کوئی معاشی ترغیب اور ماحول سرے سے موجود ہی نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نوجوانوں کی بہت بڑی اکثریت سرکاری نوکریوں پر نظریں گاڑھ کر بیٹھی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک

ایک اسامی پر سینکڑوں امیدوار پہنچ جاتے ہیں۔ گویا کہ نوجوانوں کا نفسیاتی طور پر ذہن یہ بن گیا ہے کہ نوکری ہو تو گورنمنٹ کی ہو!! پرائیویٹ جاب کو جاب سمجھا ہی نہیں جاتا۔

پرائیویٹ اداروں میں جاب نہ کرنے کی بھی ایک خاص وجہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے چند سطور پیشتر عرض کیا ہے کہ ملک میں صنعتی ترقی کے معدوم ہونے اور پرائیویٹ سیکٹر کی حوصلہ افزائی نہ ہونے کی وجہ سے پرائیویٹ ادارے، جو بھی موجود تھے، اپنی ساکھ قائم نہیں کر سکے۔ پھر یہ بھی ایک وجہ ہے کہ جب پرائیویٹ سیکٹر کی حوصلہ افزائی نہیں ہوگی تو جاب سیکورٹی کے لئے قانون سازی کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہاں کا ملازم ہر وقت اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھے گا۔ اس عدم تحفظ کی کیفیت میں، یقیناً وہ سرکاری ملازمت کی طرف، خواہ وہ انتہائی نچلی سطح کی ہو، دیکھے گا۔

اس کے برعکس اگر لیبر قوانین پوری طرح لاگو ہوں تو پھر پرائیویٹ سیکٹر کا ملازم بھی انتہائی یکسوئی کے ساتھ کام کرے گا۔ ظاہر ہے کہ اسے معلوم ہو گا کہ اگر میرے ساتھ زیادتی ہوئی تو میری داد رسی ہوگی۔ میرے بچوں کو فاقوں نہیں مرنا پڑے گا بلکہ جب تک میں بے روزگار رہوں گا مجھے ریاست کی طرف سے گزارہ الاونس ملتا رہے گا اور میرے نئے جاب کی ذمہ داری بھی ریاست پر ہوگی۔ اس وقت سیکنڈے نیوین ممالک میں یہی نظام رائج ہے۔ یہ نظام ہی اسلام کے معاشی نظام کے قریب تر ہے۔

ملک میں موجود بے روزگاری کے یہ تو فوری اسباب تھے جبکہ ان کے علاوہ کچھ حقیقی اور عمیق اسباب و علل بھی ہیں۔ اگر ہم تھوڑا گہرائی میں جا کر جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ اصل سبب یا علل العلل ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس ملک پر باطل نظام مسلط ہے۔ بے روزگاری سمیت ہمارے تمام مسائل اس استحصالی نظام کے برگ و بار ہیں۔

سیدھی سی بات ہے کہ ملک پر ایک ظالمانہ استحصالی طبقہ اول روز سے ہی مسلط ہے۔ اس طبقے کی وجہ سے وسائل دولت و پیداوار، تمام کے تمام، اس طبقے کے ہاتھوں میں سمٹ کر آ گئے ہیں۔ ایک طرف وہ طبقہ ہے جس کو Haves کہا جاتا ہے جبکہ دوسری طرف Have nots ہیں۔

اس باطل استحصالی نظام کی موجودگی میں کسی شخص کی قابلیت اور لیاقت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ ایک عام انسان دو وقت کی روٹی کو ممکن بنانے کے لئے ڈھور ڈنگر کی سی محنت کرتا ہے۔ جبکہ وسائل پر قابض طبقہ ملکی وسائل کو شیر مادر کی طرح استعمال کرتا ہے۔ اس استحصالی طبقہ کے کتوں کو جو سہولتیں میسر ہیں وہ ایک عام شہری کے بچوں کو بھی حاصل نہیں ہیں۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ سرکاری تحویل میں موجود اداروں میں ملازمتیں ہوتی ہی محدود ہیں جبکہ دوسری طرف ظلم یہ ہے کہ ان محدود ملازمتوں کو بھی سیاسی رشوت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ محض اپنی محنت و قابلیت کے بل بوتے پر حصول ملازمت میں کامیاب ہو جائے گا۔ اگر تیسرے درجے کی ملازمت بھی درکار ہے تو ایم پی اے اور ایم این اے کی چوکھٹ پر ان گنت سجدے کرنا پڑیں گے۔ اگر آپ اپنی عزت کا دھیلا کرانے کے بعد حصول ملازمت میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں تو گویا آپ نے ہمیشہ کے لئے اپنے گلے میں اس ایم پی اے یا ایم این اے کی سیاسی غلامی کا طوق ڈال لیا ہے۔ اب آپ کے لئے ممکن نہیں ہے کہ آپ اگلے الیکشن میں اپنی رائے اس ایم پی اے کے خلاف استعمال کر سکیں۔ گویا میرٹ اب یہی ہے کہ کون کس کا کتنا چہیتا ہے اور کس کے پاس کتنی بڑی سفارش ہے۔

اس کے علاوہ حصول ملازمت کا دوسرا طریقہ رشوت ہے۔ آپ متعلقہ افسر کی مٹھی گرم کیجئے، آپ کامیاب ٹھہریں گے۔ اگر مندرجہ بالا دونوں سکے آپ کے پاس موجود نہیں ہیں تو عصر حاضر میں حصول ملازمت کا خواب کم از کم پاکستان میں ہرگز نہ دیکھئے۔

اس ملک میں سفارش اور رشوت کا بازار تو ہر دور میں ہی گرم رہا ہے لیکن آج سے دس بارہ سال قبل پھر بھی سو میں سے دس بارہ آدمی اپنی قابلیت کے بل بوتے پر معقول روزگار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جایا کرتے تھے جبکہ گزشتہ دس بارہ سالوں کے دوران تو پوری طرح "جس کی لاٹھی، اس کی بھینس" والا اصول کارفرما ہے۔ حصول ملازمت کو ایک طرف رکھتے ہوئے اگر آپ عمومی ماحول پر ایک نظر ڈالیں گے تو آپ کو ہر دفتر میں راشی اہلکار منہ کھولے ملے گا۔ آپ اس کے دوزخ کو بھریں گے تو آپ کی فائل حرکت میں آئے گی ورنہ سالہا سال گزر جائیں لیکن فائل سرد خانے سے باہر نہیں نکلے گی!!

بے روزگاری کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں جن کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس مسئلے کا اصل خطرناک پہلو یہ ہے کہ ملک و ملت کو اس کے بھیانک نتائج کا سامنا ہے۔ اس عفریت نے ملک کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ اس بے روزگاری کے مسئلے نے بے شمار مسائل اور جرائم کو جنم دیا ہے۔

ہم ان مسائل و جرائم پر ایک طاہرانہ نظر ڈالیں گے۔ بے روزگاری کی وجہ سے نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد فرسٹریشن کا شکار ہے۔ اس فرسٹریشن کو ختم کرنے کے لئے وہ مختلف غیر صحت مندانہ سرگرمیوں میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ملک میں خود کشی کی وارداتیں بھی اسی بے روزگاری کا نتیجہ ہیں۔

اس کے علاوہ نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد منشیات کی عادی ہو رہی ہے۔ منشیات ہمارے معاشرے میں بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے اور اس نے ہمارے معاشرے کی چولیں ہلاک کر رکھ دی ہیں۔ آپ بغور تجزیہ کریں گے تو اس نتیجے تک پہنچیں گے کہ اس کی وجہ بھی بے روزگاری ہے۔

نوجوانوں میں بے روزگاری کی وجہ سے ہی جنسی بے راہ روی بھی پائی جاتی ہے۔ بظاہر اس کا تعلق کچھ دوسرے مسائل اور ناقص ماحول سے جڑتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا گہرا تعلق بے روزگاری سے ہے۔ اس لئے کہ جب روزگاری نے نوجوانوں کے لئے شادی جیسے فطری عمل کو نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن بنا دیا ہے۔ آج کا نوجوان شادی کے نام سے گھبراتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ خود دولتمندوں کا محتاج ہے تو ازدواجی فرائض اور بوجھ اٹھانے کا کیسے متحمل ہو سکتا ہے۔ جب جنسی تسکین کے جائز راستے مسدود ہوں گے تو غلط راستے ضرور اپنائے جائیں گے۔

بے روزگاری کا ایک اور بھیانک نتیجہ ڈاکے، راہ زنی قتل و غارت اور چوری جیسے جرائم کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ جب ایک پڑھا لکھا باصلاحیت نوجوان جائز طریقے سے حصول روزگار میں ناکام ہوگا تو معاشرے کے خلاف انتقامی جذبہ پروان چڑھے گا۔ اب اس کی سوچ کا زاویہ ہی بدل جائے گا۔ ایسی صورت میں آپ کا وعظ و نصیحت اس پر کارگر ثابت نہیں ہوگا۔ وہ سوچے گا کہ اس معاشرے نے مجھے کیا دیا ہے۔ میں نے اپنی زندگی کے بیس سال حصول تعلیم کے لئے وقف کئے ہیں، اس کا اجر مجھے فرسٹریشن، اعصابی تناؤ، رشتہ داروں کے طعنوں کی صورت میں ملا ہے۔ لہٰذا اس کے نزدیک تمام اخلاقی فلسفے بے معنی ہیں۔ وہ اس حقیقت سے گزر رہا ہے کہ اخلاقی فلسفوں اور وعظوں سے پیٹ نہیں بھرتا۔ یہ صورت اس وقت مزید گھمبیر ہو جاتی ہے جب ایک نوجوان کے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

برصغیر مختلف ملکوں اور قومیتوں کا مجموعہ ہے!

ظالمانہ نظام اور نااہل حکمران زیادہ عرصہ قائم نہیں رہتے

ہم بہ ظاہر آزاد مگر درحقیقت غلام ہیں

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تجویز جسے پذیرائی نہ ملی

ہر طرف شور ہے' شکست و ریخت کا عمل تیز سے تیز تر ہوتا جارہا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے دنیا کے بڑے حصے پر عملی اور فکری قابض "سوویت یونین" ایک سے تیرہ ملکوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ کوئی دن آنے والا ہے کہ دنیا کا دوسرا سامراج امریکہ بھی اسی انجام سے دوچار ہو گا۔

برطانیہ' کل جس کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا' آج کسی خارش زدہ جانور کی طرح پڑا اپنے زخموں کو کچکچا رہا ہے۔ دو عظیم جنگوں نے برطانیہ کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ تبھی اسے مقبوضہ علاقوں کو چھوڑنا ہی تھا۔ لیکن انگریز اتنی جلدی ہار ماننے والی قوم نہ تھے' جاتے جاتے بھی وہ ان علاقوں میں ایسے ایسے روگ اور ایسے ایسے لوگ چھوڑ گئے کہ ہم بظاہر آزاد ہو کر بھی دراصل غلام ہی رہے۔

مکار انگریز نے جو جو سازشیں یہاں کی تھیں ان میں سے اہم ترین سازش اپنے زیر قبضہ ملکوں کو غیر فطری ٹکڑوں میں تقسیم کر کے وہاں ظالمانہ نظام حکومت کا قیام تھا۔

غیر فطری ممالک کی سب سے بڑی مثال ہمارا ملک پاکستان ہے جو کہ چھ نامکمل ٹکڑوں پر قائم کیا گیا۔ جن کی ترتیب کچھ یوں تھی : ۱۔ آدھے سے زیادہ بنگال ہندوستان میں آدھے سے کم ادھر ۲۔ کچھ پنجاب ادھر کچھ ادھر ۳۔ آدھا بلوچستان ایران کے پاس آدھا پاکستان میں ۴۔ کچھ سندھ ادھر کچھ ادھر ۵۔ کچھ افغان علاقہ ادھر کچھ ادھر ۶۔ آدھے سے زیادہ کشمیر ہندوستان کے پاس اور تھوڑا سا پاکستان میں۔

انگریز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے تسلسل اور عالمی تحریک ریشمی رومال کی وجہ سے برصغیر کو چھوڑنے پر مجبور ہو چکا تھا۔ لیکن وہ جاتے جاتے اس خون سے خالی مریض کو زہر کا انجکشن لگانا چاہتا تھا۔ جس کے لئے اس نے برصغیر میں مصنوعی لیڈر شپ پیدا کی اور اپنے ایجنٹوں کے ذریعے غلط تقسیم کا یہ ظالمانہ منصوبہ مسلط کر دیا۔ انگریز نے مقبوضہ علاقوں کو چھوڑنے اور توڑنے کے بعد اس بات کو بھی یقینی بنایا کہ ان ممالک کے اندر مکمل طور پر استحصالی نظام قائم کیا جائے۔ اس استحصالی نظام کی سب سے بڑی علامت غلط وفاقی طرز حکومت تھا۔ بہت زیادہ خرابی بہت زیادہ نقصان کے بعد یہ بات تسلیم ہو چکی ہے کہ

"برصغیر کسی ایک ملک یا ایک قومیت پر مشتمل نہیں ہے بلکہ یہ خطہ ملکوں اور قومیتوں کا مجموعہ ہے"۔

> "صرف اکیس سال کی مدت میں پاکستان ٹوٹ گیا۔ پچاس سال مکمل ہونے سے پہلے پہلے ہندوستان ٹوٹ جائے گا۔ یہ تھا غیر فطری ممالک بنانے کا منطقی نتیجہ"

آج ہندوستان کے کئی صوبے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ پاکستان کے عوام مصنوعی وفاقی کے ظلم سے چیخ رہے ہیں۔ لیکن کوئی بھی ظالمانہ نظام حکومت اور نالائق حکمران زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتے کوئی دن آنے والا ہے کہ ہندوستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پاکستان کا ظالمانہ فیوڈل سسٹم بھی تباہ و برباد ہو کر اپنی موت آپ مرجائے گا۔ دونوں اطراف میں مختلف قومیتوں پر جاری رکھا جانے والا بھیانک ظلم اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔ جب انگریز یہ جال بچھا رہا تھا تو پورے برصغیر میں صرف ایک مرد قلندر ایسا تھا جو اس مکاری کو سمجھ رہا تھا اس کا نام تاریخ میں عبیداللہ سندھی کی حیثیت سے جانا جاتا ہے یہ مرد حق آگاہ اس وقت کہہ رہا تھا "قومیتی اختلافات کو مذہبی یگانگت کبھی نہیں مٹا سکی"

مشرقی پاکستان کا سانحہ اسی بات کی تائید ہے۔ ہندوستان میں کشمیر' پنجاب کے ساتھ دیگر کئی صوبے ہم مذہب ہونے کے باوجود اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ سندھ پاکستان کا خالق صوبہ ہونے کے باوجود علیحدگی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ صوبہ سرحد اور افغانستان کی طرف سے ہماری سرحدیں گزشتہ پندرہ سال سے ختم ہو چکی ہیں۔ صوبہ پنجاب نے علیحدگی کی تیاری مکمل کر رکھی ہے۔ اب وفاق اور اسلام کے نام پر ڈرامہ بازی کی جارہی ہے۔

آخر ایسا کیوں ہے؟

صرف اس لئے کہ دونوں ملکوں میں قومیتوں کو مذہب اور جھوٹی ہندوستانی' پاکستانی قومیت کے نام پر ایک رسی میں باندھا گیا ہے۔

اس کا حل کیا ہے؟

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی نے فرمایا :

"ہم ہندوستان کے شمال مغرب کو مختلف ممالک میں تقسیم کرتے ہیں جہاں جہاں ایک قوم آباد ہے۔ جو رقبہ ایک زبان رکھتا ہے اور معاشرت میں یکساں ہے اپنی علیحدہ تہذیبی' تمدنی علاقائی' شناخت رکھتا ہے اسے ایک ملک (state) قرار دیا جائے"۔ جمہوری بنیادوں پر وہ اپنا مذہبی مسئلہ بھی حل کر سکتا ہے۔ اس کے بعد

وہاں کے طبقاتی مسائل ہیں۔ ان ممالک میں حق نمائندگی مذہبی تفریق پر نہیں بلکہ طبقاتی اختلاف کی بنیاد پر دیا جائے۔ حکومت میں ہر طبقہ اپنی آبادی کے مطابق شرکت حاصل کرے۔

یہ تھا وہ نسخہ کیمیا جو مولانا عبیداللہ سندھی نے اس بدنصیب خطے کے نصیب جگانے کے لئے تجویز کیا تھا۔

افسوس صد افسوس کہ برصغیر کے لوگ اس بات کو بروقت نہ سمجھ سکے۔ نقصان بسیار کے بعد آج کہیں حقوق کی دبی دبی بات چل رہی ہے تو کہیں صوبائی خودمختاری کی۔ یعنی آج پھر وہی غلطی کی جارہی ہے جو ایک مرتبہ پہلے کی گئی تھی۔ حالانکہ تجربہ سب سے بڑی دلیل ہوتا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ کھل کر بات کی جائے اور مولانا کی بات کو آگے بڑھایا جائے اور علی الاعلان کہا جائے کہ

"برصغیر کئی ممالک اور اقوام کا مجموعہ ہے۔ آزادی اور خوشحالی ان سب اقوام کا حق ہے"۔

"انگریز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے تسلسل اور عالمی تحریک ریشمی رومال کی وجہ سے برصغیر کو چھوڑنے پر مجبور ہو چکا تھا۔ لیکن وہ جاتے جاتے اس خون سے خالی مریض کو زہر کا انجکشن لگانا چاہتا تھا"

ہم برصغیر کا ۷۵ فیصد بجٹ فوج اور اسلحہ کی خریداری کی بجائے عوام کی بنیادی سہولتوں پر خرچ کرنا چاہتے ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھی کا پروگرام برصغیر کے جنوب مغرب میں دس آزاد ممالک کی فیڈریشن قائم کرنے کا تھا۔ ایک ایسی فیڈریشن جو آزاد اقوام (Soverign state) کے درمیان برابری اور حقوق اور واجبات میں توازن سے قائم ہو۔

مولانا نے ارشاد فرمایا تھا کہ اقوام اپنا حق حیات قائم رکھنے کی خاطر کسی رکاوٹ کی پرواہ نہیں کریں۔ آیئے ہم بھی کسی رکاوٹ کی پرواہ کئے بغیر اپنا حق حیات حاصل کرنے کی جدوجہد کریں۔ اس سے پہلے سامراج اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ایک بار پھر کوئی مصنوعی تقسیم اس خطے پر مسلط کر دے اور غلامی کے تاریک سائے مزید گہرے ہو جائیں۔

یہ سامنے نظر آ رہا ہے اس خطے کی نئی تقسیم ہماری طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس آندھی کو روکنا ناممکن ہے۔ جب یہ بات تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ ہندوستان پاکستان کا موجودہ صوبوں اور ظالمانہ وفاق کا نظام مکمل ناکام ہو چکا ہے۔ تو پھر آخر ہم اس نسخہ کیمیا کی طرف کیوں نہیں پلٹتے؟ ایسا ایک نہ ایک دن ہو کر رہے گا برصغیر بلکہ ایشیا کی تمام اقوام مکمل آزادی حاصل کر کے رہیں گی۔ لیکن اس وقت تک غیر اقوام ہم سے صدیوں آگے نکل چکی ہوں گی۔ صرف اکیس سال کی مدت میں پاکستان ٹوٹ گیا۔ پچاس سال مکمل ہونے سے پہلے پہلے ہندوستان ٹوٹ جائے گا۔ یہ تھا غیر فطری ممالک بنانے کا منطقی نتیجہ۔

ایشیا کے شمال کے لئے امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کا پروگرام یہ تھا۔

۱۔ **پہلا ملک ' بھارت** : جس کی زبان اردو ہے اس میں دوآبہ گنگا جمنا اور لکھنؤ شامل ہیں اس کا مرکز دہلی اور آگرہ ہیں۔

۲۔ **دوسرا ملک ' پنجاب** : جس کی زبان پنجابی اور مرکزی شہر امرتسر اور لاہور ہیں۔

۳۔ **تیسرا ملک ' پوٹھوہار** : اس کی زبان پوٹھوہاری اور مرکزی شہر راولپنڈی ہے۔

۴۔ **چوتھا ملک ' سرائیکستان** : جس کی زبان سرائیکی اور مرکزی شہر ملتان اور بہاولپور ہیں۔

۵۔ **پانچواں ملک ' کشمیر** : جس کی زبان کشمیری اور مرکزی شہر سری نگر اور مظفر آباد ہیں۔

۶۔ **چھٹا ملک ' پختونستان** : جس کی زبان پشتو اور مرکزی شہر پشاور ہے۔

۷۔ **ساتواں ملک ' بلوچستان** : جس کی زبان بلوچی اور مرکزی شہر کوئٹہ اور قلات ہیں۔

۸۔ **آٹھواں ملک ' سندھ** : جس کی زبان سندھی اور مرکزی شہر کراچی اور حیدر آباد ہیں۔

۹۔ **نواں ملک ' گجرات** : جس کی زبان گجراتی اور مرکزی شہر احمد آباد ہے۔

۱۰۔ **دسواں ملک ' راجپوتانہ** : جس کی زبان ہندی اور مرکزی شہر اجمیر ہے۔

یہ ممالک اپنی اپنی جگہ آزاد' مستقل اور خودمختار (Sovereign state) ہوں گے جن کی اقتصادی' تمدنی اور سیاسی آزادی محفوظ ہو گی۔ اور یہ ممالک رضاکارانہ طور پر فیڈریل ری پبلک کی اکائیاں ہوں گے۔ ان اکائیوں کو مطمئن رکھنا فیڈرل ری پبلک کا فرض ہو گا ورنہ انہیں علیحدگی کا حق بھی حاصل رہے گا۔

امام الانقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کے تاریخی منشور سے متاثر ہو کر دراصل یہی بات ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور میں کہی گئی تھی جسے بعد میں انتہائی بددیانتی سے بدل دیا گیا۔ جس کے برے نتائج آج ہم بھگت رہے ہیں۔

مولانا سندھی نے ایسا پروگرام صرف برصغیر کے شمال مغرب کے لئے ہی نہیں بلکہ پورے ایشیا کے لئے تیار کیا تھا۔ جس کی ابتدا وہ شمال مغرب سے کرنا چاہتے تھے۔ ان آزاد ممالک میں جدوجہد کی اساس وہ محنت کش طبقے پر رکھنا چاہتے تھے۔ حق نمائندگی ہر طبقہ زندگی کی تعداد کے مطابق دیا جانا قرار پایا تھا۔

برصغیر کے باشعور لوگو ابھی وقت باقی ہے۔ اس ڈوبتے جہاز کو اب بھی بچایا جا سکتا ہے یاد رکھئے۔ ایک نہ ایک دن برصغیر کی تمام اقوام نے آزادی حاصل کر ہی لینی ہے۔

ممالک کی موجودہ ہیئت ترکیبی بالکل غیر فطری ہے اور فطرت سے زیادہ دیر تک جنگ کرنا ممکن نہیں ہوتا لوگوں کو زیادہ عرصہ تک بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا نہ جھوٹے مذہبی نظریئے سے اور نہ ہی کسی مصنوعی قومیتی جذبے سے۔ ہم دانشور طبقہ سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ وقتی مصلحتوں کو ترک کر کے مسئلے کے اس حقیقی حل پر توجہ کریں۔

(بشکریہ : ایشیاٹک فیڈریشن فورم)

پوسٹ بکس نمبر ۳۲ خانپور

حضرت عمرؓ نے حکومت و عوام کا تعلق ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔

"ہماری (حکومت) مثال اور قوم (رعایا) کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے سفر کیا اور اپنے اخراجات کی رقم اپنے میں سے کسی کے یہ کہہ کر حوالہ کر دی کہ ہمارے اوپر خرچ کرتے رہو کیا ایسی صورت میں ان کے ساتھ کسی قسم کا ترجیحی سلوک روا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں"۔

نئی نسل کو تقسیم کے مقاصد سے آگاہ ہی نہیں کیا گیا

حقوق کے حصول کے نام پر اقتدار کی جنگ اور چھینا جھپٹی کی راہ پیدا ہوئی

اللہ کی طرف رجوع' توبہ اور ایمان کے بغیر ان حالات میں تبدیلی نہیں آسکتی

نجیب صدیقی

"ہم نے اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اللہ نے ہم پر عذاب بھیج دیا"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید (سورۃ النحل : ۱۱۲) میں ایک ایسی بستی کا ذکر کیا ہے جو چین اور اطمینان کی زندگی گزار رہی تھی اس بستی پر رزق کی کشادگی' ہر چیز کی افراط تھی' کھانے کے لئے غلے اور پھل ہر طرف سے کھنچے چلے آتے تھے۔ دنیا کی نعمتیں گھر بیٹھے مل رہی تھیں۔ خدا کا انعام اس بستی پر تھا۔ اس بستی والوں نے خدا کے انعامات کی قدر نہ کی دنیا کے عیش و آرام میں پڑ کر ایسے غافل اور بدمست ہوئے کہ منعم حقیقی کا دھیان نہ رہا بلکہ اس کے مقابلے میں بغاوت کی ٹھان لی خدا نے ان کی ناشکری کے سبب اور کفران نعمت کی وجہ سے ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ امن و چین رخصت ہوا اور عذاب کی گرفت میں آ گئے۔ آج کراچی کا حال بھی اس بستی سے ملتا جلتا ہے جس کا ذکر اوپر کی سطور میں ہوا ہے۔ کراچی شہر پورے پاکستان کے لوگوں کی نمائندگی کرتا تھا۔ ہر طرف سے لوگ سمٹ سمٹ کر اس شہر میں آ رہے تھے۔ چند لاکھ کی آبادی کا شہر دیکھتے ہی دیکھتے ڈیڑھ کڑور سے زیادہ کا شہر بن گیا۔ دور دور تک آبادیاں پھیل گئیں اور ہر طرف سے آنے والے اپنی روزی آسانی سے حاصل کرنے لگے۔ غلے اور پھل کی بہتات اس شہر میں دیکھی جا سکتی تھی۔ سب سے اچھا پھل اور کم قیمت پر کراچی میں دستیاب تھا۔ یہاں کے رہنے والے دنیا میں اس قدر مگن ہو گئے کہ اللہ کے نعمتوں کی قدر نہ کی۔ اسراف کے نئے نئے طریقے ایجاد ہوئے مسرفین کو اللہ نے شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ دولتمندی نے غرور اور تکبر میں مبتلا کر دیا۔ شعائر اسلام سے بے اعتنائی برتنے لگے۔ ستر و حجاب کو خیرباد کہا۔ برقع پسماندگی کا "نشان" بن گیا جگہ جگہ بیوٹی پارلر کھل گئے تاکہ عورتیں بن سنور کر مجالس کی زینت بن سکیں۔ شادی بیاہ کی تقریبات میں عریانی کا چلن آ گیا۔ مخلوط تعلیم کے باعث نچلی سطح سے ہی لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ رہنے لگے گویا بچپن ہی سے شرم و حیا کا تصور نہ رہا جس سے مسلمان معاشرے کی جڑ ہی کٹ گئی دولت کی ہوس نے حلال و حرام کی تمیز ختم کر دی' سود اور سودی قرضے کاروباری ضرورت بن گئے۔ جوا' سٹہ عام ہو گیا رہی سہی کسر پرائز بونڈ نے پوری کر دی' ہر شخص قسمت آزمانے لگا اس جوئے میں جیتنے والے کو باقاعدہ مبارک باد دی جانے لگی اور اس کی قسمت پر رشک ہونے لگا۔ ناجائز ذرائع آمدنی یہاں تک پھیل گئے کہ جائز ذریعہ سے کمانا محال ہو گیا' انسانی رشتے مادی پیمانوں سے ناپے جانے لگے۔ اخلاقی اور انسانی قدریں ٹوٹ پھوٹ گئیں جس مقصد کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا یا کر دیا گیا۔ نئی نسل کو تقسیم کے مقاصد سے آگاہ ہی نہیں کیا گیا--- انسانی حیات کا سفر جاری ہے اگر کوئی اعلیٰ مقصد سامنے نہ ہو تو اس کی جگہ چھوٹے اور گھٹیا مقاصد لے لیتے ہیں۔ یہی المیہ نئی نسل کے ساتھ ہوا۔ ان کے سامنے ایسی کوئی منزل نہ تھی جس کے حصول کے لئے وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرتی۔ حکمران طبقہ نے جان بوجھ کر اعلیٰ مقاصد سامنے نہ آنے دیئے' دنیاوی مال و دولت کا حصول ہی اعلیٰ ترین مقصد قرار پایا اور نئی نسل نے بھی اس کو اپنا ہدف بنا لیا۔ جس کے نتیجے میں تصادم کی نئی نئی راہیں سامنے آئیں' حقوق کے حصول کے نام پر اقتدار کی جنگ اور چھینا جھپٹی کی راہ پیدا ہوئی' کراچی تقریباً تین سال سے اس عذاب میں گرفتار ہے۔ اس شہر کے رہنے والوں پر "لباس الخوف و الجوع" کو کھلی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ کاروبار ٹھپ پڑے ہیں۔ صنعت کاروں نے دوسرے شہروں کا رخ کر لیا ہے' ہر شخص "خسارہ خسارہ" پکار رہا ہے۔ خوف کا یہ عالم ہے کہ ہر شخص اپنے کو غیر محفوظ سمجھتا ہے سڑک پر چلتا ہوا آدمی کسی بھی وقت لقمہ اجل بن سکتا ہے۔ بسوں میں دھماکے ہوتے ہیں جس سے کوئی راستہ محفوظ نہیں رہا۔ حکومت کا ظلم اور تشدد اپنی جگہ الگ ہے بلا امتیاز گرفتاری اور رہائی کے لئے بھاری رقموں کی طلبی اور عدم ادائیگی پر سنگین مقدمات میں ملوث کر

کاروان ندامت

لندن : مسلمانوں سے صلیبی جنگوں میں ہونے والی خونریزی اور المناک واقعات کی معافی مانگنے کے لئے بعض برطانوی نوجوانوں نے لندن سے پہلی صلیبی جنگ کے آغاز کے ٹھیک ۹۰۰ سال بعد ۲۷ نومبر ۱۹۹۵ء کو ایک مارچ کا آغاز کیا ہے جو یورپ سے ہوتا ہوا ۱۵ جولائی کو القدس (یروشلم) میں جا کر ختم ہو گا۔ جوں جوں یہ مارچ یورپ میں آگے بڑھے گا' جہاں اس کے شرکاء اپنے اجتماعات میں مسلمانوں اور یہودیوں سے ان پر صلیبی جنگ میں ڈھائے جانے والے مظالم پر پشیمانی اور افسوس کا اظہار کریں گے۔ شرکاء کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

(Islamic Voice)

دنیا ایک عام بات ہو گئی ہے انصاف کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے ہیں ظلم و جور کا راج ہے جس ملک یا شہر میں ایسی صورت پیدا ہو جائے وہاں کے حکمران بھی محفوظ نہیں رہتے حالات نے انہیں بھی "لباس الخوف" پہنا دیا ہے۔ عادل حکمران بے خوف و خطر رہتا ہے۔ اسے کسی محافظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو لوگ ظلم کو اپنا شعار بنالیں وہ خود ہر وقت موت کے خوف میں مبتلا رہتے ہیں پولیس بدنام زمانہ تو پہلے ہی تھی، کراچی میں اس نے تمام حدود روند دیئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے بھی ہر وقت موت کا خوف دامن گیر رہتا ہے۔ اپنے نام کی تختی گھر سے ہٹالی ہے تاکہ معلوم نہ ہو کہ یہاں کوئی پولیس والا مقیم ہے۔ پولیس موبائل تنہا نہیں چلتی اس کی مدد کے لئے کم از کم دوسری گاڑی ضرور ہوتی ہے حکمران آزادی کے ساتھ شہر میں نہیں گھوم سکتے۔ حکمرانوں نے جمہوریت کو خود ہی پاؤں تلے روند دیا ہے ان میں اب اتنی جراءت نہیں کہ وہ آزادی سے کوئی جلسہ کر سکیں اخبارات میں بیان دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ وہ عوام کے سامنے سرخرو ہو گئے ہیں جب تک پولیس کی بھاری نفری ساتھ نہ ہو عوام میں نہیں جا سکتے۔

معاشرہ حضور ؐ کے ارشاد "اعمالکم عمالکم" کا صحیح مصداق بن چکا ہے حالات کو درست کرنے کے لئے ہر شخص کو اپنے گریبان میں جھانکنا ہوگا' دوہرے معیار ختم کر کے اپنے اس نصب العین کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ جس کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا اپنی انفرادی زندگیوں میں تبدیلی لانی ہوگی۔ اللہ کی طرف رجوع' توبہ اور تجدید ایمان کے بغیر ان حالات میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ نوجوان نسل کو بتانا ہوگا کہ ایک مسلمان کی اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے' دنیا میں مشقت اور غم اٹھانا ہے تو اس کے لئے اٹھاؤ اللہ کے دین کی سربلندی کو مقصد بناؤ جس میں عدل ہی عدل ہے جس میں زور آور کا زور کمزوروں پر نہیں چلتا بلاخوف و خطر ہر شخص کو انصاف ملتا ہے ہر شخص کا حق متعین ہوتا ہے اس کے لئے کمر ہمت کسیں۔

☆☆☆

بقیہ : روزگار

کندھوں پر بوڑھے والدین' چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کا بوجھ بھی ہو۔ ایسی صورت میں وہ زندگی کو بوجھ سمجھتا ہے لہٰذا وہ زندگی کی جنگ ہار کر دنیا سے رخ موڑ لینے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس کے اس فیصلے کے اثرات معاشرے پر کیا مترتب ہوتے ہیں' یہ الگ موضوع ہے!!

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ اصل سبب استحصالی نظام ہے لہٰذا جب ایک نوجوان یہ دیکھتا ہے کہ ایک کار زنانے کے ساتھ اپنے شوخ و شنگ رنگوں اور نئے ماڈل کے ساتھ اس کے پاس سے گزرتی ہے' جبکہ اس کی جیب خالی ہے' تو اس کے دل کو چھلنی کر جاتی ہے۔ اب اس کی یہ نفرت اس نظام سے نفرت سے آگے بڑھ کر اس ملک سے نفرت میں ڈھل جاتی ہے۔ وہ سوچتا ہے اور صحیح سوچتا ہے کہ گورے انگریز کی غلامی سے ہمارے آباؤ اجداد نے آزاد کرا کے کالے انگریز کی غلامی میں دے دیا ہے۔ اس ملک کی آزادی سے ہماری قسمت پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ ہم پہلے بھی غلام تھے اب بھی غلام ہیں۔ پہلے ہمارا آقا سات سمندر پار سے آیا تھا اب مقامی آقا ہے۔ ہاں فرق یہ ہے کہ وہ آقا اپنے ساتھ کچھ اصول و قواعد بھی لایا تھا جن کی وہ پابندی کرتا تھا جبکہ اس آقا کا اصول ہی بے اصولی ہے۔

جب نوجوانوں میں یہ طرز فکر پروان چڑھنے لگے تو ملک و ملت کے لئے مہلک ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ملک و ملت کو زوال سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ جب نوجوان قوانین کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں تو معاشرہ زراجیت کا شکار ہو جاتا ہے اور زراجیت جنگل کا فلسفہ ہے مہذب معاشرے کا نہیں۔

اس ساری صورت حال کا علاج صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ اس باطل نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر بحیرہ عرب میں ڈبو دیا جائے اس تخریب کے بعد نئی تعمیر کی جائے۔ اس لئے کہ ہر تعمیر کے لئے تخریب ضروری ہوتی ہے۔OO

بقیہ : ایڈیٹر کے ڈیسک سے

دکھا سکے۔ جن لوگوں کو موجودہ صورتحال کی سنگینی کا نسبتاً زیادہ احساس اور شعور ہے ان کی اسی درجے میں ذمہ داری بھی زیادہ ہے کہ وہ اس کے تدارک کے لئے جدوجہد کریں اور اس ضمن میں سب سے اہم کام یہ ہے کہ جن حضرات کا معاشرے میں ایک مقام اور حیثیت ہے وہ ایک دوسرے کے قریب آنے کی راہیں نکالیں ورنہ محض لوگوں کو خبردار کر دینے سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

آخر میں ایک اہم سماجی مسئلے کی طرف توجہ دلانا بے جا نہ ہوگا جس کی وجہ سے آئے روز المناک حادثات جنم لیتے ہیں اور کئی خاندان تباہی سے دوچار ہوتے ہیں۔ کچھ روز پہلے پنجاب ہائیکورٹ نے ایسے ہی ایک مسئلے کی سماعت کے دوران بجا طور پر والدین کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تھی کہ بیٹوں کا دوستوں کو گھروں میں لانا انہیں عبرتناک انجام سے دوچار کر سکتا ہے۔ اونچے طبقے کی دیکھا دیکھی ہم میں سے اکثر نے بہت سی خرافات اپنے اوپر لازم کر لی ہیں جن میں شادی بیاہ کی رسومات' پر تکلف معیار زندگی اور ٹی وی سر فہرست ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی زیادہ تر ذمہ داری ہر ایک کے اپنے اوپر عائد ہوتی ہے اگر ہم بے جا اور غیر ضروری لوازمات کو ترک کر کے مناسب موقع پر بیٹے' بیٹیوں کی شادی کر دیں تو عورتوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں میں کمی ہو سکتی ہے۔

مسئلہ کشمیر

ٹائمز آف انڈیا (یکم دسمبر ۱۹۹۵ء) کی ایک رپورٹ کے مطابق مسٹر ایم۔ بی امیدکر کا کہنا تھا کہ کشمیر کا صحیح حل اس کا تقسیم تھا۔ ہندو اور بدھ اکثریت کا علاقہ ہندوستان اور مسلم حصہ پاکستان کو دیا جائے۔ ان کا یہ متنازعہ موقف ستمبر ۱۹۵۱ء کے یونین کیبنٹ سے ان کے استعفیٰ میں شامل ہے۔ سپیکر نے انہیں لوک سبھا میں اپنا بیان دینے سے روک دیا تھا۔ خارجہ پالیسی کے بارے میں مسٹر امیدکر کا کہنا تھا کہ ہماری جملہ خارجہ پالیسی مسئلہ کشمیر کے گرد گھومتی ہے جو بالکل ایک غیر حقیقی مسئلہ ہے' اس مسئلے پر پاکستان سے لڑائی کا کوئی جواز نہیں۔

اس رزق سے......

مصر کے سرکاری روزنامہ "الجمہوریہ" کے مطابق مصر میں سب سے زیادہ ٹیکس ایک بیلے ڈانسر سے حاصل ہوتا ہے۔ مصر کی مشہور بیلے ڈانسر' فقی عبدو ٹیکس ادا کرنے والوں میں چوٹی پر ہیں مگر ٹیکس حکام نے اسے بھی نہیں بخشا اور اس سال اس کی آمدنی کا ایک حصہ خود مار لیا۔

بقیہ : قیام پاکستان

گیا تو کانگریس نے ڈیسائی پر تنقید شروع کر دی اور ادھر گاندھی جی نے ڈیسائی کی تائد کرنے کی بجائے چپ سادھ لی چنانچہ کانگریس نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اور ساری کوشش رائیگاں ثابت ہوئی۔ یہ دوسری کوشش تھی جو کانگریس کی ہٹ دھری کی وجہ سے ناکام رہی۔

ایک اور کوشش ایسے ممتاز افراد کی طرف سے کی گئی جو کانگریس یا مسلم لیگ میں سے کسی کے بھی ساتھ نہ تھے۔ انہوں نے سرتیج بہادر سپرو کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اس نے جو رپورٹ تیار کی اس میں "برابری" کی بنیاد پر ہندو مسلم تنازع کو حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ رپورٹ میں سفارش کی گئی کہ قانون سازی کے لئے قائم ہونے والی کمیٹی میں نچلی ذاتوں کو چھوڑ کر ہندو اور مسلمان برابر برابر ہوں اور اسی طرح مرکزی مقنّنہ میں مخلوط رائے دہندگان کے ذریعے دونوں برابر تعداد میں منتخب کئے جائیں۔ سپرو کمیٹی کی سفارشات اس لئے ناکام ثابت ہوئیں کہ اکثر ہندو لیڈر برابری کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے گو مسلم لیگ نے بھی مختلف وجوہات کی بنا پر اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم ان سفارشات کے نتیجے میں ڈیسائی لیاقت معاہدہ کی طرح دستور ساز کمیٹی اور مقنّنہ میں برابری کی ضرورت کا احساس اجاگر ہوا۔ کانگریس نے ہر دفعہ ان کاوشوں کو رد کر کے اپنے اس زعم کا مظاہرہ کیا کہ چونکہ وہ اکثریت میں ہے لہٰذا اسے کسی سے ہمدردی کی کیا ضرورت ہے جبکہ جناح آخر وقت تک متحدہ ہندوستان کے لئے تگ و دو کرتے رہے۔

(Islamic Voice, India)

بقیہ : چیچنیا

کے لئے کچھ نہ کچھ کر کے دکھانا پڑے گا جبکہ موجودہ حکومت کھلم کھلا بدمعاشی پر اتر آئی ہے۔

ٹائم: کیا آپ کے پاس تباہ کن ہتھیار بھی ہیں؟

داؤوف: جب تک روس جوہری ہتھیاروں کے استعمال میں پہل نہیں کرتا ہم انہیں استعمال نہیں کریں گے۔

ٹائم: اس میں کہاں تک سچ ہے کہ بعض روسی افسروں نے آپ کو دو کروڑ روبل فی انٹی ایئر کرافٹ گن فروخت کرنے کی پیشکش کی تھی؟

داؤوف: اپنے سابق روسی افسر ساتھیوں کے ساتھ پیشہ ورانہ دیانت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔

☆☆☆☆☆☆

پاک سرزمین !

ڈاکٹر اے۔ ایچ خیال   اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

ہمارا آئین، جس کا آغاز ہی اس وضاحت سے ہوتا ہے۔ "پاکستان ایک وفاقی جمہوریہ ہوگا جو اسلامک ریپبلک آف پاکستان کہلائے گا....." درحقیقت تضادات کا مجموعہ ہے۔ نام دو طرح کے ہوتے ہیں، وہ نام جو اشیاء کی خصوصیات ظاہر کرتے ہیں اور وہ جو بغیر کسی وجہ کے چیزوں کو دے دیئے جاتے ہیں۔ شیکسپیر کا کہنا تھا کہ نام میں کیا رکھا ہے لیکن اس کا اشارہ نومولود بچوں کے رسمی ناموں کی طرف تھا۔ ایک نومولود بچے کا کوئی بھی نام جو والدین کو پسند ہو رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن جو بچہ، جوان ہو کر بدمعاش بن جاتا ہے تو اس کا نام کچھ اور ہوگا جس سے اس کے کردار کی عکاسی ہوگی۔

گویا نام ایسی کوئی بے معنی شے نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے ہمارا آئین پاکستان کو اسلامی کہتا ہے، حالانکہ یہ اسلامی نہیں ہے، اسے ابھی اسلامی ہونا ہے۔ شق ۲۲۷ (I) میں کہا گیا ہے "تمام مروجہ قوانین کو قرآن و سنت میں درج فرمودات کے مطابق اسلامی بنایا جائے گا....." لیکن اس کے لئے کوئی میعاد مقرر نہیں۔ خواہ قیامت تک نہ ہو۔ ایسا بھونڈا مذاق! آئین کو اسلام سے زیادہ تو اردو کا غم ہے جس کے لئے پھر بھی ۱۵ برس کی مدت مقرر کی گئی ہے۔ کیا ان کرتوتوں کی ہمیں کوئی سزا نہیں ملے گی؟

جب تک پاکستان حقیقی معنوں میں اسلامی نہیں بنتا ہمیں اسے اسلامی کہہ کر اسلام کو بدنام کرنے کا کوئی حق نہیں، نہ ہی اس سے پاکستان کے وقار میں کسی قسم کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ جو کچھ اصل میں پاکستان ہے ویسا اس کا نام ہونا چاہئے، یہ زیادہ قرین قیاس ہوگا۔ ملکی قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی بات تو ایک طرف رہی، عام معاملات میں اسلام سے ہم الٹا دور ہوئے ہیں۔ آئین کی شق ۲۶۲ کی رو سے ہمارے ہاں وقت اور میعاد گریگورین کیلنڈر کے مطابق شمار ہوگا۔ گریگورین کیلنڈر، جولین کیلنڈر کی جو، جولیس سیزر نے سن ۴۶ ق م میں رائج کیا تھا ترمیم شدہ شکل ہے (انا للہ) سوال یہ ہے کہ اسلامی کیلنڈر کیا ہمیں کاٹ کھاتا؟ کیا گریگورین کیلنڈر کے بغیر دنیا میں وقت کا شمار نہیں ہوتا؟

اللہ چاہے تو کسی بھی گنہگار کو معاف کر دے۔ ہمارے صدر بھی جس مجرم کو چاہیں معاف کر سکتے ہیں۔ آئین کی شق ۴۵ میں کہا گیا ہے کہ "صدر کو اختیار حاصل ہوگا کہ کسی بھی عدالت، ٹربیونل، یا حاکم کی طرف سے سنائی گئی سزا معاف، ملتوی، کم، معطل یا تبدیل کر دیں"۔ فرق صرف یہ ہے، اللہ کی حاکمیت پوری کائنات پر ہے جبکہ صدر کی حاکمیت صرف پاکستان میں ہے۔ اس کے علاوہ کم از کم ایک صورت ایسی ہے جس میں صدر چاہے بھی تو معاف نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص اگر خودکشی کر لے تو صدر کیا کر لیں گے۔ ایسے شخص کا معاملہ تو لامحالہ اللہ کے ہاں ہی ہوگا۔

ایک شہری کا سب سے بنیادی حق زندہ رہنا ہے، مگر کچھ کھائے پئے بغیر کوئی شخص تادیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن آئین کسی شہری کو روٹی کی ضمانت نہیں دیتا۔ گزر بسر کرنا ہر ایک کا اپنا ذاتی معاملہ ہے۔ کوئی شخص فاقے کرتا ہے تو وہ جانے اور اس کا کام۔ آئین کی رو سے ریاست کسی فرد کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ اسی طرح بے روزگاری بھی ہر ایک کا اپنا ذاتی معاملہ ہے۔ کیا یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں؟ اگر فاقوں سے ہی مرنا ہے تو کہیں بھی مرا جا سکتا ہے، کوئی مخصوص سرزمین ہی کیوں ہو۔

اگر کبھی خالص اسلامی آئین لکھا گیا تو اس میں لفظ حاکمیت (power) نہیں ہوگا۔ اسلام کسی کو بھی حاکمیت سے نہیں نوازتا۔ حکمرانوں کے فرائض ہوتے ہیں حاکمیت صرف اللہ کے لئے ہے جبکہ ہمارا آئین حاکمیت کا مدعی ہے۔ آئین میں سب سے زیادہ لفظ حاکمیت آیا ہے۔ پورے آئین میں لفظ اسلام چار مرتبہ آیا ہے مگر لفظ حاکمیت اٹھارہ مرتبہ!! (بشکریہ : (WEEKEND POST)

☆☆☆☆☆☆

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

چیچنیا میں جنگ چیچنیا والوں کے لئے ایک المیہ ہے

اس جنگ میں روسی فوجیوں کی تذلیل ہی نہیں ہوئی'

بورس یلسن کی سیاسی زندگی بھی داؤ پر ہے

چیچنیا کے قائد اور سپہ سالار روسی ایئرفورس کے سابق میجر جنرل ۵۲ سالہ جوخر داؤدوف کا "ٹائم" سے ایک حالیہ انٹرویو!

اخذ و ترجمہ سردار اعوان

ٹائم: گزشتہ ٦ ماہ میں آپ کے آدمیوں نے دو مرتبہ روس کے اندر جا کر شہری ہسپتالوں پر قبضہ کر کے لوگوں کو یرغمال بنایا' کیا آپ خوف و ہراس پھیلا کر آزادی کی جنگ جیتنا چاہتے ہیں؟

داؤدوف: مغرب والوں کو روسیوں کی ریاستی دہشت گردی پر کوئی تشویش نہیں ہوئی۔ روسی فوجوں نے ہمارا ایک بھی ہسپتال اور سکول باقی نہیں چھوڑا' ہمارے لوگ روسیوں کی اندھا دھند بیاری کے بعد اپنے ہاتھوں سے اپنے بچوں کے جسموں کے ٹکڑے اکٹھے کرتے ہیں پھر بھی آپ کو چیچنیا کی دہشت گردی پر بہت ملال ہے۔ بہرحال جن دو واقعات کا آپ نے ذکر کیا وہ میرے احکامات کی سنگین خلاف ورزی ہے ہم روس کے اندر جو بھی کارروائی کریں گے اس میں دہشت گردی یا یرغمال بنانے کا عمل شامل نہیں ہو گا۔

ٹائم: کسی طرح یہ جنگ ختم نہیں کی جا سکتی؟

داؤدوف: کسی پیشگی شرط یا کسی ناممکن الحصول ہدف کے قطع نظر فریقین یہ جنگ بیک جنبش قلم ختم کر سکتے ہیں۔ صدر یلسن اپنی طرف سے اس کا اعلان کر دیں' میں اپنی طرف سے کر دوں گا۔ اس کے لئے ہمارا آپس میں ملنا بھی ضروری نہیں۔ یلسن مجھ سے ملاقات کا خواہش مند نہیں لیکن یقین جانئے میں بھی اس کے لئے بے چین نہیں ہوں۔ یلسن جن لوگوں میں گھرا ہوا ہے وہ اسے مجھ سے ملنے دیں گے بھی نہیں۔ ہمیں فوجوں کی واپسی جیسے مطالبات میں الجھنے کی بجائے جنگ ختم کرنی چاہئے۔ آج میں روسی فوج کی بحفاظت واپسی کی ضمانت دیتا ہوں' چند ماہ بعد ان کا بچ نکلنا ممکن نہ ہو گا۔

ٹائم: آپ نے کہا تھا کہ آپ یہ جنگ مغربی یورپ کے اندر تک لے جائیں گے اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟

داؤدوف: ایک اخبار نویس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آپ ماسکو پر چڑھائی کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں تو میں نے جواب دیا تھا کہ اس سے آگے مغربی یورپ میں جانا کون سا مشکل ہے وہاں کے ممالک بھی تو اسی تاک میں ہیں۔ ہم اپنا خون دے رہے ہیں وہ بھی اپنا حق وصول کریں۔

ٹائم: روسی حملے نے اچانک یہاں کے لوگوں کا رخ اسلام کی طرف نہیں پھیر دیا؟

داؤدوف: بالکل یہی ہوا ہے' حالانکہ ابھی ہم بہ مشکل اس کے لئے تیاری کر رہے تھے اور یہ بات مغرب کے حق میں نہیں ہو گی کیونکہ حقیقی اسلام تک ہماری رسائی ہی نہیں ہونے دی گئی۔

ٹائم: امریکہ اس لڑائی میں کیا مدد کر سکتا ہے؟

داؤدوف: امریکہ ہمارے درمیان کسی سمجھوتے کی صورت میں ضمانت فراہم کر سکتا ہے نیز تیل نکالنے اور اسے آگے پہنچانے میں حصہ دار بن کر اس خطے کے استحکام میں مدد دے سکتا ہے؟

ٹائم: چیچنیا اور روس کے درمیان مستقبل کے تعلقات کے بارے میں آپ کا کیا اندازہ ہے؟

داؤدوف: بدقسمتی سے میں نے ہمیشہ اپنا مستقبل روس کے ساتھ وابستہ رہنے میں سمجھا ہے۔ ہمیں روس سے خدا واسطے کا بیر نہیں۔ روس کو اپنے غم بہت ہیں وہ خوشی سے ایسی حرکتیں نہیں کرتا' عادت سے مجبور ہے۔ لیکن یہاں کے عوام روس کا حصہ بننے پر کبھی راضی نہیں ہوں گے۔

ٹائم: آزاد چیچنیا سے روس کیا مفاد حاصل کر سکتا ہے؟

داؤدوف: سب سے پہلا تو یہی کہ کاکیشیا میں اس کی سردردی ختم ہو گی۔ ورنہ ہمارا پڑوسی' مسلم داغستان بھی بہت جلد روس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دے گا۔ دوسرے روس اپنے کروڑوں روبل یہاں لگانے سے بچا لے گا کیونکہ جنگ کے بعد ہم اس سے کوئی پیسہ اپنے لئے نہیں لینا چاہتے۔ ہم مل کر اس خطے کی چھپی ہوئی دولت سے استفادہ کر سکتے ہیں اور نقل و حمل کے لئے اس کی جغرافیائی موزونیت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ٹائم: آپ کا مطلب بحیرہ کیسپین کا تیل لے جانے والی پائپ لائن چیچنیا سے گزارنے سے ہے؟ اور کیا چیچنیا پر روسی حملے میں اس معاملے کا بھی دخل تھا؟

داؤدوف: جی ہاں! اس کا دخل تھا۔ جنگ جاری رہی تو پائپ لائن کبھی کام میں نہیں لائی جا سکتی' اسے تباہ کر دیا جائے گا لیکن روس کے ساتھ مفاہمت ہونے پر اسے ایک بااعتماد پڑوسی مل جائے گا جو کسی بھی جارحیت' توڑ پھوڑ اور دہشت گردی کے خلاف اس کا ساتھ دے گا۔

ٹائم: صدارتی انتخاب میں کمیونسٹوں کی کامیابی سے چیچنیا کی صورتحال میں تبدیلی واقع ہو گی؟

داؤدوف: اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کمیونسٹ یا فسطائی سب بروسیت کے زعم میں مبتلا ہیں اور ان پر دنیا پر دھونس جمانے کا بھوت سوار ہے۔ تاہم کمیونسٹوں کو کامیاب ہو کر قانون اور جمہوریت

(باقی اندرونی ٹائٹل پر)